زمانہ نبوۃ کو تین چار سال گزر چکے تھے اور ابھی تک علانیہ تلقین دین اسلام نہ کی گئی تھی۔ مگر اب وہ وقت نہیں رہا تھا۔ اس بات کا موقع آگیا تھا کہ آخر الزماں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہایت دلیری سے عام لوگوں کے سامنے احکام خدا لیکے پیش ہوں اور انھیں اُن کے فاسد عقائد پر تنبیہ کر کے راہ مستقیم کی طرف توجہ دلائیں۔

ابھی تک جو کچھ حضور انور نے کیا تھا بالکل خفیہ تھا اور ابھی تک جس قدر مسلمان ہوئے تھے نہایت خاموشی سے مسلمان ہوئے تھے مگر جب تلقین مذہب کا فوارہ نبوت کے قلب سے اچھلنے لگا تو آسمان سے روح القدس کے ذریعہ سے یہ ندا آئی " فاصدع بما تؤمر واعرض عن المشرکین " اس آسمانی آواز کی گرج کرہ باد میں بھر گئی۔ نبوۃ کی صبح صادق کا نور مبارک حجرہ سے طلوع ہوا اور حضور انور بڑی سرگرمی سے تن تنہا خداوند تعالیٰ کے سرکش بندوں کے سامنے پیش ہوئے جو ایک برگزیدہ بندہ کے نیک کاموں پر دانت پیس رہے تھے اور اُن کی تاریک آنکھوں میں دین حق کی نورانیت کے زوال کے دور سے دھوکے دے رہے تھے۔

اس کے بعد اور ایک آسمانی آواز آئی اور وہ یہ تھی " وانذر عشیرتک الاقربین واخفض جناحک لمن اتبعک من المومنین " یہ آواز قلب نبوۃ پر محیط ہوگئی اور حضرت خاتم الانبیاء و سید اصفیا کوہ صفا پر تشریف لے گئے۔ غول کے غول حضرت ختمی پناہی کے ہم رکاب تھے اور حضور کو دیکھ کے یہ الفاظ کہتے جاتے تھے " عبدالمطلب کے خاندان کا ایک شخص جاتا ہے تاکہ خدا کی باتیں لوگوں کو سنائے " جب کل لوگ جمع ہو گئے تو حضرت رسالت پناہی نے یہ فرمایا ای معشر قریش قوم اگر میں تمہیں اس امر کی خبر دوں کہ ایک لشکر اس عقبہ کے پیچھے تاک لگائے ہوئے کھڑا ہے اور بےخبری میں تم پر تاخت کرنا چاہتا ہے کیا تم اس خبر میں میری تصدیق کرو گے اور مجھے جھوٹا تو نہ سمجھو گے قریش نے جواب دیا کہ تم جھوٹے نہیں ہو اور آج تک جھوٹ کی تہمت تم پر نہیں لگائی گئی سوائے راستی اور صدق کے ہمنے آپ سے کوئی بات مشاہدہ نہیں کی یہ سنکے حبیب ملک منان اور رحمت عالمیان نے فرمایا کہ میں تمہیں سخت عذاب سے ڈراتا ہوں۔ اس پر ابولہب آپ کے چچا اور عبدالمطلب کے بیٹے نے یہ جواب دیا " تبالک سائر الیوم ھذا جمعتنا " روایت ہے کہ سورۃ تبت یدا ابی لہب نازل ہوئی۔ جس میں ابولہب کی سخت کلامی کا جواب ہے اور جس کا مضمون یہ ہے۔

ابولہب کے دونوں ہاتھ ہلاک ہوجائیں اور وہ (خود بھی)
ہلاک ہوجائے نہ اس کا مال اس کے کام آئے گا اور نہ اس
کے اعمال عنقریب وہ شعلہ دار آگ میں پڑے گا اور اسکی
عورت (بھی) جو لکڑیوں کی اٹھانے والی ہے اسکی گردن
میں چھوارے کی چھال کی رسی ہوگی۔

بعض روایتوں میں یہ لکھا ہے کہ جب حضرت مقدس نبوی کوہ صفا پر تشریف لیگئے اور آل قریش جمع ہوگئے تو آپ نے روئے مبارک لوگوں کی طرف کرکے یہ فرمایا۔

هل عرفتمونی بالکذب فیکو قالوا لا قال فاعلموا ان الله
بعثنی الیکو رسولا وقرأ علیهم یا ایها الناس انی
رسول الله الیکو جمیعًا۔

یعنی کیا تم نے مجھے اپنے درمیاں میں جھوٹ بولنے کے ساتھ (موصوف)
جانا ہے۔ بولے کہ نہیں آپ نے فرمایا تو یقین کرو کہ بے شک اللہ نے مجھے
تمہاری طرف پیغمبر بنا کر بھیجا ہے اور آپ نے اُن کے سامنے یہ آیت
پڑھی کہ اے لوگو بے شک میں تم سب کی طرف خدا کا بھیجا ہوا پیغمبر ہوں

اس پر ابولہب نے یہ کہا کہ میرے بھائی کا بیٹا (معاذ اللہ) دیوانہ ہوگیا ہے تم لوگ اسکی بات نہ سنو۔ یہ سنتے ہی لوگ تتر بتر ہوگئے اس پر سورہ تبت یدا ابی لہب نازل ہوئی۔

بعض روایتوں میں یہ بھی لکھا ہے کہ لوگ حضرت ابوطالب سے کہتے جاتے تھے آپ نے اپنے بھتیجے کی کارروائی دیکھ لی وہ سب پر قبضہ کرنا چاہتا ہے اور سب کی بزرگی لینا چاہتا ہے اور یہ عبدالمطلب کے بیٹے کا فرزند ہے کہ آسمان کی خبر دیتا ہے اور عالم بالا کے مقیم اس کے ساتھ باتیں کرتے ہیں۔ بس گویا اسی پر جوش وعظ سے جس میں اصنام قریش کو بے حقیقت اور لاشے محض ثابت کیا گیا تھا مخالفت بلکہ تلخ تر دشمنی کی ابتدا ہوئی۔ کوہ صفا سے گویا علانیہ تبلیغ کا آغاز ہوا اور اسی مقدس پہاڑ سے اسلام کی عمارت کی بنیاد پڑ گئی۔ اسلام میں پہاڑ کی سی صلابت کا ہونا قدرتًا لازمی قرار پایا اور کل چشمے اسی کوہ صفا سے آیندہ نکلے جنہوں نے مشرق و مغرب سب کو سیراب کر دیا

جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم علانیہ ایک بار کوہ صفا پر ظاہر ہو چکے اور کلمہ حق قریش کے آگے بیان فرما دیا تو پھر کوئی وجہ نہ تھی کہ آپ اپنے ہم وطنوں اور رشتہ داروں کی مخالفت سے چھپکے ہو بیٹھتے۔ حق کا نور چمک چکا تھا اور توحید کی بت پرستی کی آگ پائے تخت مکہ میں لگ چکی تھی اب اس کا بجھنا محال عقل تھا۔

آپ بازاروں میں علی الاعلان یہ کہتے پھرتے تھے کہ اگر فلاح چاہتے ہو تو پڑھو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ آپکو اپنے مخالفین کی کچھ پروا نہ تھی اور آپ کی غیر معمولی آمادگی سے یہ پایا جاتا تھا کہ حضور انور ہی کی ذات سے ایک دن زمانہ ادھر سے اُدھر پھر جائے گا۔

ابتدائی مخالفت تو ابو لہب اور عتبہ بن مغیرہ سے ہوئی سب سے پہلے یہی حضور انور کے تلخ تر دشمن بن گئے اور ایسے دشمن بنے کہ سب کام چھوڑ چھاڑ کے حضور کے پیچھے ہو لئے۔ ان کے دل میں دشمنی کی آگ بھڑک اُٹھی۔ اپنے بتوں کی عزت ریزی کے خیال نے جہاں اُن کی آنکھوں میں تیرہ و تار کر دیا۔ یہ دونوں شرارت پیشہ اشخاص نہ صرف زبانی مخالفت کرتے تھے بلکہ ہاتھ پیروں سے بھی انھیں عذر نہ تھا۔ غلاظت۔ اُونٹ کی اوجھڑیاں اور کانٹے حضور پر پھینکتے تھے مگر انھیں یہ معلوم نہ تھا کہ اس خس و خاشاک سے تبلیغ اسلام کا دریا نہیں رُک سکتا۔ جب یہ اشرار رسالت پناہی کو بہت دق کرتے تھے تو بیساختہ اس شہنشاہ بحر و بر اور خیر الانام کی زبان مبارک سے محض تقاضائے انسانیت اور ہمدردی یہ کلمے نکل جاتے تھے "اے بنی عبد مناف یہی ہمسائیگی ہے جو تم میرے ساتھ برت رہے ہو"

طارق بن عبد اللہ کا بیان ہے کہ ایک دن میں نے رسول اللہ کو سوق ذی المجاز میں دیکھا کہ آپ بلند آواز سے یہ فرما رہے تھے کہ لوگو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہو تاکہ تمھاری فلاح ہو یہ سنکے ایک شخص آپ کے پیچھے لپکا اور ایک پتھر حضور انور کی پیٹھ پر مار کے کہا "کہ اس کذاب کی باتوں کو ہرگز نہ سننا" (معاذ اللہ) میں نے دریافت کیا کہ یہ شخص کون ہے جو لوگوں کو توحید کی طرف بلاتا ہے جواب ملا محمد بن عبد اللہ ہے پھر میں نے دریافت کیا کہ یہ شخص کون ہے جو اُسے پتھر مار رہا ہے کہا اُس کا چچا عبد العزیز یعنے ابو لہب ہے۔

اَقَارِبُ کَالْعَقَارِبِ فِی الْاِیْذَاءِ	فَلَا تَفْرَحْ بِعَمٍّ اَوْ بِخَالٍ
عزیز لوگ تکلیف دینے میں مثل بچھوؤں کے ہیں	پس تو چچا یا ماموں پر مت اترا

فَکَمْ عِظَمٌ یَکُوْنُ الْعَظْمُ مِنْهُ ۔ وَکَمْ خَالٍ عَنِ الْاِحْسَانِ خَالٍ

اسلئے کہ بہت ہڈیاں ایسی ہوتی ہیں کہ ان سے نفع پہنچتا ہے۔ اور بہت ماموں ایسے ہوتے ہیں جو احسان سے خالی ہیں

یہ کوئی معمولی بات نہیں تھی اچھے اچھے جری آدمیوں کا کلیجہ پانی ہو جاتا ہے۔ ایسی مخالفت کا آغاز بھی تھا جس میں راستہ چلنا دشوار ہو گیا تھا۔ پتھر اور گالیاں کھانی اس شخص کے دل پر زیادہ اثر کرتی ہیں جو سچا ہو اور محض مخلوق کی بھلائی کا خیال رکھتا ہو۔

مسلمانوں اور مشرکین مکہ کی لڑائی

قریش نہ صرف حضور انور ہی کے پیچھے پڑے ہوئے تھے بلکہ مسلمانوں پر بھی دانت پیس رہے تھے اور سب نے ارادہ کر لیا تھا کہ جہاں مسلمان کو پاؤ مارو۔ ایک دن سعد چند مسلمانوں کے ساتھ مکہ کی ایک قریب پہاڑی میں نماز پڑھ رہا تھا کہ چند ہمسایے قریشوں کا وہاں گزر ہوا۔ مشرک دیکھتے ہی مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے خوب مشت مشت ہوتی رہی اور لکڑی بھی چلتی رہی یہاں تک کہ سعد نے اونٹ کی ہڈی سے ایک مشرک قریش کا سر پھوڑ ڈالا۔ آخر مخالف بھاگ گئے اور مسلمان اپنے گھر چلے آئے اس روایت کو ابن ہشام نے اپنی تاریخ کے صفحہ ۷ میں اور طبری نے صفحہ ۱۱۴۴ میں تحریر کیا ہے مگر واقدی خاموش ہے۔ اب یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ یہ سعد کون سا شخص ہے آیا سعد ابن ابی وقاص فاتح میدان قادسیہ ہے یا کوئی اور سعد ہے۔ کیونکہ فاتح قادسیہ تو بعد میں مسلمان ہوا تھا غالباً یہ کوئی اور سعد ہے جس کا نام و پتہ درج نہیں کیا گیا۔ اور اگر درج کیا گیا ہے تو اس کے باپ کے نام لکھنے میں غلطی ہوئی ہے۔ واقدی نے سرے سے یہ روایت ہی بیان نہیں کی جس سے یہ نتیجہ تو نہیں نکل سکتا کہ واقدی کے بیان نہ کرنے سے اس روایت کو غیر معتبر ٹھیرایا جائے بلکہ یہ بات ضرور ہے کہ ابن ہشام اور طبری کے نام میں ضرور غلطی ہوئی ہے۔

ارقم کا گھر

حج بیت اللہ کا زمانہ قریب آ گیا اور ہزاروں عرب جوق جوق مکہ معظمہ میں آنے لگے۔ حضور انور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو سخت بے چینی ہوئی کہ سر دست کوئی مکان ایسی حفاظت کا مل جائے کہ دعوت بھی اچھی طرح ہو سکے اور لوگ مسلمان بھی امن سے ہوں۔ آپ نے اکثر لوگوں سے کہا کہ مجھے کوئی جگہ ایسی قدم ٹکانے کو دی جائے جہاں میں دعوت اسلام کروں مگر کوئی بھی

سنتا تھا بلکہ اُلٹا مخالفت کرتے تھے آخر صفا کی بلندی پر ارقم[1] کے مکان میں حضور انور نے قیام فرمایا جو حضور کے مکان کے جانب جنوب اور کعبہ کے مشرق میں واقع تھا۔ اس لئے جو حج کرنے والے

[1] اس کی نسبت واقدی یہ لکھتا ہے۔ وکانت دار بمکۃ علی الصفا وھی الدار التی کان النبی فیھا فی اول الاسلام وفیھا دعا الناس الی الاسلام واسلم فیھا قوم کثیر۔ یعنی ارقم کا گھر (جو) صفا پر (واقع) تھا یہی وہ گھر تھا (جہاں) حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے آغاز اسلام میں قیام کیا تھا یہاں آپ نے دعوت اسلام فرمائی اور ایک گروہ کثیر لوگوں کا مسلمان ہوا تھا۔ (صفحہ ۲۴۲) پھر واقدی لکھتا ہے " ودعیت دار الارقم دار الاسلام و تصدق بھا الارقم علی ولدہ فقرات نسخۃ صدقۃ الارقم بدارہ بسم اللہ الرحمن الرحیم ھذا ما قضی الارقم فی ربعہ ما حاز الصفا انھا محرمۃ بمکانھا من الحرم لا تباع ولا تورث " یعنی ارقم کا گھر اسلام کا گھر مشہور ہو گیا تھا۔ اور ارقم نے اس گھر کو خدا کے نام پر وقف کر دیا تھا اور اپنے بچوں کے لئے اس کو صدقہ ٹھیرایا تھا۔ (خود واقدی نے بچشم خود اس دستاویز کو دیکھا ہے جو ارقم نے اس کے گھر کے وقف ہونیکی نسبت لکھی تھی چنانچہ وہ دستاویز یہ ہے) اللہ رحمن اور رحیم کے نام سے شروع کرتا ہوں کہ میرا یہ گھر جو صفا پر واقع ہے اسلام کے نیک کام کے لئے میں نے وقف کیا نہ یہ بیچا جائے گا اور نہ وراثت میں تقسیم ہوگا۔ اس پر ہشام ابن العاص کی شہادت ہے۔

مگر اس پر بھی ارقم کی اولاد ابو جعفر کی خلافت تک اس پر قابض رہی کبھی کو یہ لیتی رہی اور کبھی خود رہی۔ جب حسن کے پوتے محمد نے مدینہ میں بغاوت کی تو عبید اللہ ارقم کے بڑے پوتے نے اس کی طرفداری میں تلوار اُٹھائی لڑائی ہونے کے بعد محمد کو شکست ملی اور ابو جعفر نے اسکو گرفتار کر کے قید کر دیا۔ اس کے بعد خلیفہ نے ایک خط عبد اللہ کو بھیجا جسکی عمر اس وقت اسی برس سے تجاوز کر گئی تھی جس کا یہ مضمون تھا کہ اگر تو ارقم کا گھر میرے ہاتھ فروخت کر ڈالیگا تو میں تیرا قصور معاف کر دوں گا عبد اللہ نے انکار کیا اور جواب لکھا کہ یہ گھر وقف ہے۔ اس لئے وقف شدہ چیز فروخت نہیں ہو سکتی۔ خلیفہ ابو جعفر نے اس کا جواب الجواب لکھا خیر بڑی قیل و قال کے بعد عبد اللہ نے اپنا حصہ سترہ ہزار دینار کو فروخت کر ڈالا اسی طرح اس کی دیکھا دیکھی اور حصہ داروں اور وارثوں نے اپنے اپنے حصے ابو جعفر خلیفہ کے ہاتھ فروخت کر ڈالے۔ (بقیہ حاشیہ دیکھو صفحہ ۸)

صفا اور مروہ میں جاتے تھے وہ ضرور اس مکان کے سامنے ہو کے گزرتے تھے اور انھیں حضور انور کی زبان مبارک سے خداوند تعالی کے مقدس الفاظ سننے کا موقع ملتا تھا۔ قرآن مجید کی آیتیں حضور انور ہر آنے والے کو پڑھ کے سناتے تھے اور پھر اصول اسلام کی تعلیم دیتے تھے اس کے بعد جب وہ مسلمان ہو جاتا تھا تو خاموشی سے اپنے گھر چلا جاتا تھا۔

قبیلۂ خطاب کے چار شخص جن میں حضرت فاروق اعظمؓ بھی تھے۔ سب سے پہلے اس مقام مسعود میں مسلمان ہوئے سوئے ابن عمر ہاشم کے پڑپوتے کے مسلمان ہونے کی روایت بہت دلچسپ ہے اور اس واقعہ نے کچھ عرصہ تک اسلام قبول کرنے والوں کی راہ میں مزاحمت پیدا کر دی تھی۔ اس نومسلم کی بیوی عبید السر کی بہن تھی، جب یہ شخص یعنی سوئے ابن عمر مسلمان ہو گیا تو اپنے خاندان کے

سلہ فاروق اعظم کے مسلمان ہونے کی کیفیت قرآن مجید کے ایک حیرت انگیز معجزہ کی شہادت دیتی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید کے الفاظ میں ایک خاص زندہ معجزہ ہے جس کی نظیر اور الہامی کتب میں نہیں ملتی۔ کیونکہ اور الہامی کتب کے مقابلہ میں صرف قرآن مجید ہی ایک آسمانی کتاب ہے جو اس بات کا دعویٰ کرتی ہے کہ میرے الفاظ بھی خدا ہی کی طرف سے ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷) اس کل مقدس مکان کو خرید کر ابو جعفر نے اپنی حرم یعنی سوئے ابو دارون کی ماں کو یہ مکان بخش دیا جس نے اس مکان کو بڑی وسعت دی۔ اور آخر میں یہ مکان اسی حرم کے نام سے مشہور ہو گیا حضور انور نے اس مکان کا انتخاب محض اس لئے کیا تھا کہ کچھ تو قریشوں کی آزار رسانی سے نجات ملتی تھی اور کچھ تنہائی اور موقع اس قسم کا تھا کہ نہ زیادہ مجمع ہو سکتا تھا اور نہ مخالف اپنے جور و تعدی کا ہاتھ وہاں تک پہنچا سکتے تھے اور سب سے زیادہ یہ کہ دعوت اسلام بہت سہولت سے ہوتی تھی۔ علاوہ اور لوگوں کے جو یہاں آکے مسلمان ہوئے حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بھی ہیں جنہوں نے اسی مکان میں شرف اسلام حاصل کیا۔ تبلیغ رسالت کا چھٹا سال ختم ہو چکا تھا جب آپ مشرف باسلام ہوئے ہیں۔ چالیس مسلمان مرد اس مکان میں رہتے تھے اور ان کا باہر نکلنا اور پھر نا بند تھا۔ مگر جب حضرت عمر مسلمان ہوئے تو آپ جرأت اور شجاعت سے خود بھی باہر نکلے اور انھیں بھی نکال لائے اور اب مسلمان اس تاریخ سے مکہ کی شاہراہوں میں علانیہ پھرنے لگے۔

خوف سے اس نے کچھ عرصہ تک اپنا جدید مذہب ظاہر نہیں کیا کیونکہ اس کی ماں اور اس کے کل دور ونزدیک کے رشتہ دار حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سخت مخالف تھے۔ اس بیچارے نے ہر چند اپنے مذہب کو چھپایا لیکن آخر یہ بات کب چھپ سکتی ہے۔

نہاں کے ماند آں رازے کزو سازند محفلہا

جب اسکی ماں اور کل رشتہ داروں کو یہ معلوم ہوا کہ یہ شخص مسلمان ہوگیا ہے تو انھوں نے اُسے پکڑ لیا اور اُسپر سختیاں توڑنی شروع کیں مگر اسلام کی محبت کی آگ دل میں بھڑک چکی تھی وہ کبھی ان سختیوں اور جسمانی تکالیف کے عرق سے بجھنے والی نہ تھی "آتش عشق تیز تر گردد" کا مضمون تھا۔ آخر بہزار مشکل کسی ترکیب سے ستم رسیدہ موسٹے نے اپنی جان بچائی اور ان مسلمانوں کے ساتھ ہجرت کرگیا جو حبشہ چلے گئے تھے۔ جب یہ نیک دل حبشہ سے واپس آیا تو حضور انور نے اپنی نبوۃ کے اخیر زمانہ میں اسکو اور صحابہ کے ساتھ نومسلموں کی تعلیم وتلقین کے لئے مدینہ میں مقرر کردیا تھا۔ جب یہ ایک جماعۃ واعظین کے ساتھ مکہ معظمہ آیا اور اس کی ماں کو خبر ہوئی تو اس نے کہلا کے بھیجا "آہ میرے نافرمانبردار فرزند تو ایسے شہر میں داخل ہو جہاں تیری ماں رہتی ہو اور پھر تو اس سے پہلے ملنے نہ آئے" اس دلدادہ اور سچے عاشق رسولؐ نے یہ جواب دیا "میری ماں سے کہدو کہ میں رسولؐ مقبول کے گھر کے سوا اور کسی گھر میں قدم نہیں رکھ سکتا" اس کے بعد حضور انور کی اجازت سے وہ اپنی ماں سے ملنے آیا جس نے اس کی طرف خطاب کرکے کہا "اے بیٹا تجھے کیا ہوگیا تو نے یہ حالت اپنی کیوں بنالی ہے" بیٹے نے جواب دیا "میں خدا کے برحق نبی اور سچے اسلام کے رستہ پر چلتا ہوں" ماں نے آہ سرد بھر کے جواب دیا "ای بیٹا جو مصیبتیں کہ سفر حبشہ اور یثرب میں رہکے تو اُٹھا چکا ہے کیا اسی سے تیرا دل مطمئن ہو اور تجھے تیرے اعمال کی ابھی سزا نہیں ملی ہو۔ بیٹا یہ سمجھا کہ شاید ماں مجھے پھر مثل سابق کے قید کرنا چاہتی ہے۔ نہایت مستعد

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸) کہ میرے الفاظ بھی خدا ہی کی طرف سے ہیں۔ قصہ مختصر شہری کی روایت کے بموجب حضرت فاروق اعظم کے مسلمان ہونے کی یہ کیفیت ہے کہ جب آیۂ انکم وما تعبدون من دون اللہ حصب جھنم انتم لھا واردون نازل ہوئی اور عام طور پر قریشیوں میں اس کا غل مچا تو ابوجہل نے قریشیوں کا ایک جلسہ منعقد کیا اور اس جلسہ میں خود یہ بیان کرنے کھڑا ہوا کہ اے لوگوں محمدؐ نے طعن کی زباں۔

ہو کے جواب دیا اماں جان کیا تم مجھ پر جبر کر کے میرے دین سے دست بردار کرنا چاہتی ہو اگر میرے

ہمارے اور تمہارے خداؤں پر کھلی ہے اور تمہارے عقلمندوں کو علانیہ بیوقوف کہتا ہے اور اسکا بیان ہے کہ تمہارے باپ دادا اور تمہارے معبود دوزخ کے ایندھن ہیں اب تم آگاہ ہو جاؤ کہ جو کوئی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر دے گا اس کو میں ہزار ناقہ احمر اور ایک ہزار اوقیہ سونا دوں گا دوسری روایت کے بموجب اس نے سو سرخ اونٹ سیاہ آنکھ والے اور ہزار اوقیہ چاندی دینے کا وعدہ کیا یہ سنکر اس مجلس میں سے حضرت عمرؓ بن خطاب اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا اے ابا الحکم جو تو وعدہ کر رہا ہے اسکی ضمانت کیا ہے ابو جہل نے جواب دیا کہ جب میں بے تاخیر تسلیم کرتا ہوں اور اتنے آدمیوں کے سامنے بیان کر رہا ہوں پھر اور ضمانت کی کیا ضرورت ہے حضرت عمرؓ نے کہا میں لات عزیٰ کی قسم کھا کے کہتا ہوں کہ تیرا دل اور زبان یکساں ہے اس پر ابو جہل نے بھی قسم کھائی اور کہا بلا شک میں اپنے قول میں سچا ہوں۔ پھر حضرت عمرؓ اسکو اطمینان دینے کے لئے خانہ کعبہ میں لے گئے اور قریشوں کے سب سے بڑے بت ہبل نامی کے آگے جا کے حسب طریقہ قریش اسکو اس معاملہ پر گواہ کیا اس کے بعد حضرت عمرؓ تلوار ننگی کر کے حضور انور کے قتل کرنے کے لئے روانہ ہوئے راستہ میں نعیم بن عبداللہ حضرت عمرؓ سے ملے اور دو چار باتیں کرنے کے بعد کہا کہ تمہاری بہن اور تمہارا بہنوئی سعید بن زید مسلمان ہو گیا ہے۔

دوسری روایت میں یہ ہے کہ سعد بن ابی وقاص حضرت عمرؓ سے راستہ میں ملا اور دریافت کیا کہ کہاں جاتے ہو کہا میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کرنے جاتا ہوں سعد نے کہا کیا تجھ بنی عبد مناف کا خوف نہیں ہے تو محمد کو قتل کر کے کس طرح بے خوف رہ سکتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ میں قتل تو کر دوں کہ جس سے مذہب قریش میں ایک تبدیلی واقع ہو رہی ہے اسکے بعد دیکھا جائیگا سعد نے کہا کہ پہلے تم مجھ سے تو دو دو ہاتھ کر لو اسکے بعد حضور انور کے قتل کرنے کی جرات کرنا یہ سنتے ہی حضرت عمرؓ کو غصہ آگیا اور اُدھر سعد نے بھی تلوار کھینچ لی اسوقت مسلمانوں کی حالت بہت ہی نازک تھی وہ مشرکین قریش کے مارے اِدھر اُدھر چھپتے پھرتے تھے جب بالکل تلوار چلنے کو ہوئی تو سعد نے کہا کہ تم مجھے کیوں لڑتے ہو پہلے اپنی بہن اور بہنوئی کو تو قتل کرو جو مسلمان ہو گئے ہیں تاکہ تمہاری دلسری معلوم ہو حضرت عمرؓ نے

گرفتار کرنے کا پھر خیال ہوا تو یہ سمجھ لینا جس نے مجھپر ہاتھ ڈالا میں سب سے پہلے اسکی گردن اُڑاونگا

کہا کہ اسکا ثبوت کیا ہے سعد نے جواب دیا کہ اونے ثبوت تو یہ ہے کہ تمہارا ذبیحہ وہ نہیں کہاتے یہ سنتے ہی حضرت عمر سعد کو چھوڑکے اپنی بہن کے گھر کی طرف گئے اتفاق سے اسوقت سعد بن زید اور اُسکی بیوی اور جناب بن ارث کی بہن گھر میں موجود تہیں اور سورہ طہ پڑھ رہی تھیں حضرت عمر کو دیکھتے ہی اُنہوں نے لکھی ہوئی سورہ طہ کو چھپا لیا۔ حضرت عمر نے کہا کہ تم کیا پڑھ رہی تہیں انہوں نے کہا کہ ہم تو باہم باتیں کر رہے تھے پھر حضرت عمر نے ایک دنبہ اپنے ہاتہہ سے ذبح کر کے بہن سے کہا کہ اسکو پکاؤ جب وہ پک کے تیار ہوگیا تو کہا آؤ ہم ملکر کہائیں بہن نے اور گھر کے باقی لوگوں نے انکار کر دیا اسپر حضرت عمر کو سعد ابن وقاص کا کہنا یقین آگیا اور آپکو اسقدر غصہ آیا کہ اپنے بہنوئی کی ڈاڑہی پکڑ کے زمین پر گرا دیا اور سینے پر چڑہ بیٹھے بہن نے اپنے شوہر کو چھڑانا چاہا حضرت عمر نے بہن کو ایسا تہپڑ مارا کہ منہ لہو لہان ہوگیا اسپر بہن نے کہا کہ تو ہم پر اسلئے ظلم کر رہا ہے کہ ہم مسلمان ہوگئے ہیں حضرت عمرو نے کہا ہاں اسپر ان کی بہن کو جوش آیا اور کہا ہاں ہم دونو مسلمان ہیں بیشک ہم مسلمان ہیں اور تیرے اس جور وظلم پر بھی ہم کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑہتے ہیں جو تیرا جی چاہے کر اور اپنے کرنے میں کچھہ کسر نہ رکھیو ہم کبھی بھی دین اسلام کو نہیں چھوڑنے کے حضرت عمر نے اپنی بہن کو خون آلودہ دیکہا تو آپ کے دل میں ایک رقت سی پیدا ہوگئی آپ اپنے بہنوئی کی چھاتی پر سے اُتر آئے اور علیحدہ بیٹھہ کے کہا کہ وہ صحیفہ جو تم پڑہ رہی تہیں مجھے دکھاؤ بہن نے کہا کہ خداوند تعالیٰ کا حکم ہے کہ سوائے پاک آدمیوں کے اسے کوئی ہاتہہ نہیں لگا سکتا تم اُٹھو اور نہاؤ جب تم نہالوگے تو میں تمہارے ہاتھہ میں دیدوں گی حضرت عمر یہ سنکے نہانے کیلئے باہر گئے اتنے میں خباب کوٹھری میں چھپے ہوئے باہر نکل آئے اور حضرت عمر کی بہن سے کہا کہ تو کافر کے ہاتہہ میں صحیفہ قرآنی دیتی ہو حضرت عمر کی بہن نے کہا کہ مجھے امید ہے کہ بھائی مسلمان ہوجائیں گے اتنے میں حضرت عمرو نہا دہوکر گھر میں آئے بہن نے وہ صحیفہ آپ کے ہاتہہ میں دیدیا پڑہتے پڑہتے جب اس آیہ پر پہونچے کہ مافی السموات ومافی الارض ومابینہما وما تحت الثریٰ تو بیساختہ حضرت عمر کی زبان سے یہ نکل گیا کہ جو شخص یہ بات سنے گا اسے کبھی یہ سزاوار نہیں ہے کہ وہ غیر خدا کی پرستش

اس کا جواب ماں نے یہ دیا۔

کرے۔ اور جب پڑھتے پڑھتے اس آیۃ پر پہنچے کہ ان تجھر بالقول فانہ یعلم السر واخفی اللہ لا اله الا ھو لہ الاسماء الحسنی تو کل شبہات رفع ہو گئے اور آپ کا سینہ نورِ اسلام سے منور ہو گیا آپ نے فوراً کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھا حب جناب ارت نے دیکھا کہ حضرت عمر مسلمان ہو گئے ہیں تو وہ کوٹھری سے نکل آئے اور کہا اے عمر تجھے بشارت ہو کہ حضور انور کی دعا تیرے حق میں قبول ہو گئی کل شب کو آپ فرما رہے تھے اللھم اعز الاسلام بابی جھل ابن ھشام او بعمر بن الخطاب۔ حضرت عمر نے جناب سے کہا تو تم مجھے رسول کریم کے پاس لیجاؤ چنانچہ دو تو حضور کے مکان پر پہنچے دروازہ بند تھا۔ صحابہ میں سے ایک صحابی نے ایک مقام سے حضرت عمر کو برہنہ شمشیر ہاتھ میں لئے دروازہ کے پاس کھڑا دیکھا اور یہ کیفیت کل لوگوں سے بیان کر دی کسی کو خوف کے مارے دروازہ کھولنے کی جرات نہیں ہوئی۔ حضرت حمزہ نے حضور انور کی خدمت میں عرض کیا۔ یارسول اللہ آپ حکم دیں تو دروازہ کھول دیا جائے اگر عمر خیر سے آئے ہیں تو خیر ورنہ اس تلوار سے اسکی گردن اڑا دوں گا۔ حکم ہوا کہ دروازہ کھول دو۔ جوں ہی حضور انور نے حضرت عمر کی صورت دیکھی آپ استقبال کے لئے اٹھے۔

گر بر رہ عاشقی قدم راست نہی

معشوقہ بادل خدمت پیش آید

ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت مقدس نبوی نے فاروق اعظم کا بازو پکڑ کے ہلایا اور فرمایا۔ کہ اے عمر کہو اگر صلح کے ساتھ آیا ہے تو میں تجھسے ہاتھ اٹھاؤں اور اگر جنگ کیلئے آیا ہے تو تلوار میان سے نکالی جائے۔ حضرت عمر کے تن پر لرزہ پڑ گیا آپنے اسی کپکپاتے لہجہ میں یہ کہا میں مسلمان ہو گیا ہوں۔ حضور انور نے ارشاد کیا کہو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ حضرت عمر نے فوراً کلمہ طیبہ پڑھا حضور رسالت پناہی نے تکبیر کہی اور صحابہ نے بھی بآواز بلند شوق بشاشت سے تکبیر کہی اور اتنا غل مچا کہ قریشوں کے مکانوں میں اسکی آواز پہنچی۔ اس کے بعد حضرت عمر نے یہ عرض کیا یارسول اللہ مناسب نہیں ہے کہ مشرک تو علانیہ لات عزیٰ کی پرستش کریں اور مسلمان گھروں میں چھپے ہوئے خدائے حق کو لا مکاں کی عبادت کریں۔ حضور نے مسلمانوں کا اظہار مرضی حضور ختمی پناہی نے منظور فرمالیا

اب تو میرے آگے سے چلا جا۔ یہ کہکے ماں رونے لگی۔ بیٹے نے چلتے ہوئے کہا ای مادر مہربان محض محبت کی وجہ سے میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ خدا کو ایک جان اور اس کے صادق رسول پر ایمان لا۔ بدنصیب ماں بولی چمکتے ہوئے ستاروں کی قسم میں تیرے دین میں داخل ہو کے اپنے کو بیوقوف نہیں بناتی۔ اور میں تا زیست اپنے عقاید پر ثابت و برقرار رہوں گی

اس کے بعد ایک اور نوجوان قوم قریش سے مشرف باسلام ہوئے۔ ان کا نام طلاب تھا اور یہ رشتہ میں حضور انور کے ماموں ہوتے تھے ارقم کے گھر میں آ کے مشرف باسلام ہوئے اور پھر اپنی ماں سے کہا کہ میں خدا اور اس کے برگزیدہ رسول پر ایمان لے آیا۔ ماں نے جواب دیا بیٹا تو نے بہت اچھا کیا خدا تجھے یہ برگزیدہ دین مبارک کرے۔ خدا کی قسم اگر مجھ میں مثل مردوں کے قوۃ ہوتی تو میں پیغمبر آخرالزماں کی مدد کرتی اور اس ذات اطہر واقدس کو حوادث زمانہ سے بچاتی۔ نوجوان بیٹے نے کہا اے مادر مہربان جب تیرے یہ خیالات ہیں پھر تجھے کونسی بات علانیہ اسلام قبول کرنے سے روکتی ہے جبکہ تیرا بھائی حمزہ مسلمان ہو چکا ہے۔ ماں نے جواب دیا کہ یہ تو سچ ہے مگر میں اپنی بہنوں کا انتظار کر رہی ہوں۔ اخیر یہ ہی ہوا یہ نیک بخت خاتون مسلمان ہو گئی اور اس نے جو کچھ اسلام کی مدد کی وہ تاریخ میں سنہری حرفوں سے لکھی ہوئی ہے۔

نومسلم غلام

حضور انور کو ارقم کے مکان میں رہتے ہوئے چند ہی روز گزرے تھے کہ چند غلام مشرف باسلام ہوئے ایک یمن سے حضر موت کا رہنے والا عیسائی تھا۔ اور دوسرا ابو فقیہا کے نام سے مشہور تھا لیکن دونوں کی وفات سنہ ہجری کے آغاز پر یا اس سے پہلے ہو چکی تھی۔ اسکی بیٹی فقیہا نامی کی شادی حطاب ایک نومسلم سے ہوئی تھی جو شخص حبش کے مہاجرین میں شریک تھا

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳) اور سب ملکے باہر نکلے کہ خانہ کعبہ کا طواف کریں حضور کے داہنی طرف حضرت ابوبکر صدیق تھے اور یسار پر حمزہ و علی۔ حضرت حمزہ تلوار حمائل کئے ہوئے کبھی آگے ہو جاتے تھے اور کبھی حضرت عمر اور کل صحابہ پیچھے پیچھے تھے ادھر قریش حجر و نخین بیٹھے ہوئے اسبات کا انتظار کر رہے تھے کہ اب حضرت ختمی پناہی کا سر لیکے آتے ہونگے مگر جب انکی نظر میں حضرت عمر پر پڑیں جو شادان و فرحاں آگے آگے برہنہ تلوار کے ساتھ آ رہے تھے دریافت کیا ای عمر تمہارے پیچھے کون ہے۔ کہا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ یاد رکھنا اگر تم میں سے کسی نے بھی خلاف ادب کوئی حرکت کی تو تلوار سے اسکی گردن اڑا دونگا۔ مشرک حیران ہو گئے کہ عمر کو بھیجا کس لئے تھا اور آیا کس صورت سے۔ حضرت عمر پر مشرک ووڑ پڑے آپ نے حوالی کعبہ سے سبکو دھکے دیکے نکالدیا۔ حضور انور نے بیت اللہ میں اول مرتبہ نماز پڑھی

ان کے بعد صہیب پسر سینا مشرف با سلام ہوا۔ یہ شخص یونانی الاصل موصل کا رہنے والا تھا۔ جو عراق عرب کا ایک قصبہ ہے۔ اور اس کا باپ یا چچا حکومت کسریٰ کی طرف سے ابلہ کا گورنر تھا۔ ایک یونانی

ف۔ اس مسئلہ میں بھی سرولیم میور نے غلطی کی ہے۔ صہیب کو وہ اپنی سخت غلطی سے معلم نمبر قرار دیتا ہے اور اس آیت کا شان نزول ولقد نعلم انھم یقولون انما یعلمہ بشر لسان الذی یلحدون الیہ اعجمی و ھذا لسان عربی مبین (سورۂ نحل پارہ ۱۴) ترجمہ اور بے شک یقیناً ہم جانتے ہیں کہ یہ کافر کہتے ہیں کہ اس (نبی) کو ایک بشر (قرآنی عبارتیں) سکھاتا ہے (حالانکہ) جس کی طرف یہ (سکھا دینے کا) خیال کرتے ہیں وہ عجمی ہے اور یہ قرآن صاف عربی زبان ہے۔

حضرت صہیب کو لکھتا ہے حالانکہ تفسیر فتح البیان میں یہ لکھا ہے۔ وقد اختلف اھل العلم فی تعیین ھذا البشر الذی زعموا علیہ ما زعموا فقیل ھو غلام الفاکہ بن مغیرۃ واسمہ جبر و کان نصرانیا فدخل دارہ وسیا فاسلم و کان قریش اذا سمعوا من النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اخبار القرون الاولی مع کونہ امیا قالوا انما یعلمہ جبر وقیل اسمہ عائش او یعیش عبد لبنی الحضرمی و کان یقرأ الکتاب الاعجمیۃ وقیل غلام لبنی عامر بن لوی وقیل عنوا سلمان الفارسی وقیل عنوا نصرانیا بمکۃ اسمہ بلعام و کان یقرأ التوراۃ وقیل عنوا رجلا نصرانیا کان اسمہ ابا میسرۃ یتکلم بالرومیۃ و فی روایۃ اسمہ عداس وقیل ارادوا بالبشر غلامین اسم احدھما یسار و اسم الاخر جبر۔ ترجمہ۔ اہل علم نے اس شخص کی تعیین میں جسپر مشرکین نے یہ خیال کیا تھا اختلاف کیا ہے بعض کہتے ہیں کہ وہ فاکہ بن مغیرہ کا غلام تھا اس کا نام جبر تھا اور وہ نصرانی تو وار تھا روم کا باشندہ اسلام لے آیا تھا اور قریش جب نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے باوجود آپ کے امی ہونے کے گزشتہ زمانہ کی خبریں سنتے تو کہتے کہ یہ باتیں جبر انہیں تعلیم کرتا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ اس کا نام عائش یا یعیش تھا بنی حضرمی کا غلام اور وہ عجمی کتابیں پڑھا کرتا تھا بعض کہتے ہیں بنی عامر بن لوی کا غلام تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ سلمان فارسی کی طرف سے اشارہ کرتے تھے بعض کہتے ہیں کہ مکہ کے ایک نصرانی کی طرف اشارہ ہے جس کا نام بلعام تھا وہ توریت پڑھا کرتا تھا۔ بعض کہتے ہیں ایک نصرانی شخص کی طرف اشارہ ہے جسکا نام ابو میسرہ تھا وہ رومی زبان میں گفتگو کیا کرتا تھا اور بعض روایات میں ہے کہ اسکا نام عداس تھا اور بعض کہتے ہیں کہ دو آدمی مراد ہیں دونوں غلام تھے ایک کا نام یسار تھا دوسرے کا نام جبر تھا (جلد ۵ صفحہ ۲۷۰)

ڈاکوؤں کے دستہ نے عراق عرب پر تاخت کی اور صہیب کو شام اور اس کے بعد قسطنطنیہ لے گیا پھر اس کے بعد گردش زمانہ سے وہ قبیلہ بنی کاسب کے ہاتھ پڑا اور اس قبیلہ نے مکہ میں لا کے اُسے عبداللہ ابن جدعان کے ہاتھ فروخت کرڈالا۔ جس نے خریداری کے بعد اس کو آزاد کردیا مگر تو بھی اپنی حفاظت میں رکھنے کی ذمہ داری کی۔

یہ نہایت خوبصورت اور سرخ وسفید رنگت کا تھا جس سے اس کا شمالی باشندہ ہونا پایا جاتا تھا عربی ٹوٹی پھوٹی بولتا تھا مگر یونانی خوب جانتا تھا۔ تجارت سے اس نے بکثرت روپیہ جمع کرلیا تھا۔ اسی اثناء میں یہ مسلمان ہوگیا۔ عبداللہ کی زندگی میں تو اس سے کوئی آنکھ نہ ملاسکا لیکن اس کے مُربّی عبداللہ کی وفات پر مشرکین عرب بہت سخت تکلیف دینے لگے۔

سر ولیم میور صاحب یہ تحریر فرماتے ہیں کہ اسی شخص سے عیسائیت کے متعلق آنحضرت نے بہت کچھ علم حاصل کیا مگر کوئی سند پیش نہیں کرتے۔ جیساکہ ان کا قاعدہ ہے کہ اعتراضات کرنے اور الزام رکھنے کے لئے وہ خیالی باتیں گڑھ لیتے ہیں۔ اسیطرح یہاں بھی اپنے خیالات کی روانی انھوں نے دکھادی۔

جب حضور انور ہجرت کرنے لگے اور آپ کے ساتھ لوگوں نے ہجرت کا سامان کیا تو اہل مکہ نے صہیب کو ہجرت کرنے سے روکنا چاہا لیکن صہیب نے یہ کہا اگر تم مجھے جانے دو تو

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴) مخالفوں کا قاعدہ ہے کہ الزام قایم کرنے کے لئے وہ باتیں ایجاد کرتے ہیں جو بالکل بے بنیاد ہوتی ہیں ان مختلف غلاموں کے اسلام لانے سے انہیں اور کوئی الزام تو بن نہ آیا یہی بات بنادی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان سے دین مسیح کی بابت دریافت کرتے ہیں اس کا جواب قرآن مجید میں بہت معقول دیا گیا کہ قرآن تو صاف زبان عربی میں ہے اور وہ لوگ جنکی طرف اشارہ ہے عجمی ہیں پھر کیونکر ایک فہیدہ آدمی سمجھ سکتا ہے کہ عجمی ایسی شستہ عربی لکھ سکیگا جس کے لکھنے میں اہل زبان بھی قاصر ہیں مگر ہمیں تو یہاں یہ بحث ہے کہ سر ولیم میور نے کیوں صرف صہیب پر اتنا زور دیا جبکہ اس کا نام بھی سوائے اور ناموں کے کسی معتبر تفسیر میں نظر نہیں پڑا۔ یہ اسکی تحقیق ہی جس پر اس کے روشن دماغ محقق اہل وطن آنکھ بند کرکے ہوئے ہیں اور انہیں میور کے بیانات میں ردّ و قدح کرنے کا یارا نہیں ہوا۔

میں یہ کل سامان تمہارے حوالہ کر دیتا ہوں۔ حضور پُرانور نے سن کے فرمایا صہیب نے کیا خوب سودا کیا ہے !!

دوسرا آزاد کردہ غلام عمار تھا جو صہیب کے ساتھ ارقم کے مکان میں آ کے مشرف باسلام ہوا تھا۔ اسکا باپ یاسر یمن کا رہنے والا تھا اور اسکی ماں سمیہ تھی اور اس کا بھائی عبداللہ بھی مسلمان ہو گئے تھے۔ وہ

ﻫ۱ جب حضرت صہیب مکہ سے ہجرت کرنے لگے تو اہل مکہ نے صہیب سے یہ کہا کہ تو ایک مفلس اور گداگر بن کے یہاں آیا لیکن ہمارے ساتھ رہ کے تیری حالت سنبھل گئی اور اب تو موجودہ ترقی پر پہنچ گیا اور اتنا بڑا دولتمند ہو گیا۔ اب تو سب سامان و اسباب لے کے ہم سے جدا ہوتا ہے۔ خدا کی قسم یہ کبھی نہیں ہونے کا۔ اس پر حضرت صہیب عاشق رسول مقبول نے جواب دیا اگر میں اپنی کل دولت یہاں چھوڑ دوں پھر تم مجھے جانے دو گے۔ اہل مکہ نے کہا ہاں۔ چنانچہ اس نے اپنا کل مال و متاع اُن کے سپرد کر دیا۔ دوسری روایت یہ ہے کہ جب حضرت صہیب رسول مقبول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ ہجرت کرنے لگے اور اونٹ پہ کر سے سب دور نکل گئے تو مشرکین قریش نے تعاقب کر کے انہیں جا لیا انھوں نے اپنے اونٹ کو ان کی طرف پھیر کے کہا کہ اگر تم اپنی زندگی چاہتے ہو تو چلے جاؤ ورنہ ایک ایک کو تیروں سے چھید دوں گا اور جب تیر ترکش میں ہو چکیں گے تو پھر شمشیر آبدار سے خبر لوں گا۔ چونکہ حضرت صہیب اعلیٰ درجہ کے تیرانداز مشہور تھے اس لئے قریش خوف کے مارے واپس چلے گئے اور مزید مزاحمت نہیں کی۔

صہیب کی طبیعت میں مذاق بھی تھا۔ جب آپ ہجرت کر کے مکہ سے مدینہ میں آئے تو کھجوروں کا موسم تھا آپ بہت بھوکے اور تھکے ہوئے تھے کھجوریں خوب پیٹ بھر کے کھائیں۔ کہیں ایک آنکھ آپ کی دُکھنے آگئی جب آپ حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضور نے ارشاد کیا تم نے کھجوریں کیوں کھائیں تمہاری ایک آنکھ دکھنے آگئی جب انھوں نے تمہیں نقصان کیا تو اب نہ کھانا۔ اس پر حضرت صہیب نے جواب دیا "حضور میں اب کبھی ان کھجوروں کو دُکھتی ہوئی آنکھ کے جبڑے سے نہیں کھانے کا بلکہ اس جبڑے سے کھاؤں گا جس کی آنکھ اچھی ہے۔ یہ سُن کے حضور (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) مسکرانے لگے صہیب ستر سال کی عمر میں ہو کے ۳۸ھ ہجری میں فوت ہوئے اور آپ مدینہ کے گورستان جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔

بزرگی اور عظمت عطا کی کہ آج تاجدار اور کروڑوں آدمیوں کے حاکم اُن کا نام تعظیم سے لیتے ہیں۔
ایک عجیب اور حیرت انگیز استدلال ایک واقعہ سے فاضل ولیم میور نے کیا ہے جو اسی زمانہ کا واقعہ ہے اور بہت ہی عجیب غریب ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سرداران قریش کے مسلمان کرنے کا بہت ہی خیال تھا اور آپ اسی ادھیڑبن میں رہتے تھے اور اسی وجہ سے اُس اندھے پر آپ نے کچھ توجہ نہیں کی جو نہایت صدق دلی سے آپ کے پاس آیا تھا اور جس کا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے ؂

یہ ایک غلط استدلال ہے جو ولیم میور نے عبد اللہ ابن مکتوم کے معاملہ میں کیا ہے۔ کسی خاص شخص کی طرف ایک وقت توجہ نہ ہونی اس بات پر دلالت نہیں کرتی کہ توجہ نہ کرنے والا شخص اس فریق سے نفرت رکھتا ہے اور اس کا رجحان طبیعت خاص دوسرے اشخاص کی طرف ہے۔ قرآن مجید میں اس واقعہ کا ذکر ہے اور اُسکے ذکر میں قرآن مجید کا طرز بیان سخت تنبیہی ہے جس کو ہم درج ذیل کرتے ہیں ؂
عَبَسَ وَتَوَلّٰى الخ (ترجمہ) (محمدؐ) ترش رو ہو گئے اور منہ پھیر لیا اس بات سے کہ ان کے پاس نابینا آیا اور (اے نبی) تم کیا جانتے ہو شاید وہ (اس وقت تمہاری تعلیم سے) پاکیزہ ہو جاتا یا نصیحت مانتا اور نصیحت ماننا (اس وقت) اس کو فایدہ دیتا۔ لیکن جو بے پرواہ ہے۔ تم اس کی ہدایت کے) درپے ہو حالانکہ تم پر کچھ گناہ اس بات کا نہیں ہے کہ وہ پاکیزہ نہ ہو۔ اور لیکن جو شخص تمہارے پاس دوڑتا ہوا آیا اور وہ (خدا سے) ڈرتا ہے تو تم اُس سے غفلت کرتے ہو (کچھ خوف کی بات) نہیں۔ بیشک یہ تو ایک نصیحت ہے پس جو چاہے اسے یاد کرے بزرگ بلند (مرتبہ) پاکیزہ ورقوں میں (لکھا ہوا) ہے بزرگ نیکو کار لکھنے والوں کے ہاتھ میں ہلاک کر دیا جائے انسان کہ وہ کیسا ناشکر ہے (آخر تک)
جس قصہ کی طرف قرآن مجید میں اشارہ ہے اُس کی اصلیت یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم وعظ و نصیحت فرما رہے تھے اور ہمہ تن اُن کی ہدایت کی طرف مصروف تھے اسی اثناء میں عبد اللہ ابن مکتوم نابینا آ گئے اور انہوں نے حضور انور سے ایک آیت دریافت کی آپ کو کچھ توجہ نہ ہوئی انہوں نے دوبارہ سہ بارہ دریافت کیا آپ کو ناگوار گزرا اور آپ کے

چہرہ مبارک پر شکن آگئی جب آپ ان کفار کے وعظ و نصیحت سے فارغ ہوئے تو فوراً یہ آیتیں
اُتریں اور یہ عتاب آمیز خطاب صادر ہوا۔ اس واقعہ سے عجیب غریب نتائج نکلتے ہیں جو سر ولیم
میور نے نظر انداز کر دیئے +

اول نتیجہ تو یہ نکلا کہ ہدایت یافتہ یا نیک دل شخص سرداروں سے جو ہدایت یافتہ نہیں ہے زیادہ بزرگ
ہے۔ دوسری نصیحت یہ ہے کہ خدا کا کلام سنانے والے کو نہ خفا ہونا چاہیے۔ اور نہ دنیاوی
مدارج کا امتیاز کرنا چاہیئے۔ اس میں شبہ نہیں کہ حضور مشرک سرداروں کو خدا کا کلام سُنا
رہے تھے ایسی حالت میں کسی شخص کا بات کاٹ کے بیچ میں بول اُٹھنا انسانی طبیعت اور
دنیاوی تہذیب کے لحاظ سے سخت معیوب اور بھڑکا دینے والا ہے۔ مگر الٰہی تعلیم میں اس قسم
کی تہذیب اور امتیاز یہ مدارج کو محض فضول خیال کیا گیا ہے دنیاوی لحاظ سے کیسا ہی ادنےٰ
درجہ کا شخص کیوں نہ ہو اگر ہدایت چاہتا ہے یا ہدایت یافتہ ہے تو ہزار درجہ دنیاوی سرداروں
اور دولتمندوں سے زیادہ بزرگ ہے +

جیسا کہ سر ولیم میور نے نتیجہ نکالا ہے ہمیشہ اس قسم کے واقعات نہیں ہوا کرتے تھے ایک دفعہ
ایسا معاملہ پیش آیا جس کو میور صاحب نے آسمان پہونچا دیا۔ قرآن مجید کی طرز ابتداء سے یہ واقع
ہوئی ہے کہ جب خداوند تعالےٰ کو کسی اہم امر کی بابت کچھ تنبیہ یا اپنی مخلوق کو نصیحت کرنی ہوتی
ہے تو خطاب حضور انور سے کیا جاتا ہے اور حضور ہی کی ذات کو ذریعہ نصیحت و تنبیہ بنایا جاتا
ہے تاکہ امت یہ [illegible] لوگ سمجھیں کہ جب ان معاملات میں اپنے برحق نبی کے ساتھ
یہ برتاؤ ہے تو ہم کس گنتی میں ہیں +

یاسر یمن کے ایک قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے آپ اپنے دو بھائیوں کے ساتھ مکہ میں آئے تاکہ اپنے
ماموؤں اور خالاؤں وغیرہ سے ملیں۔ لیکن بجائے یمن واپس جانے کے آپ اپنے سرپرست
اور مربی ابوحذیفہ کے پاس رہ گئے جنہوں نے اپنی لونڈی سمیہ سے ان کا نکاح کر دیا اس بی بی سے
عمار پیدا ہوئے اور دوسرے عبداللہ +

یاسر کے فوت ہونے کے بعد سمیہ نے ارزق سے نکاح کر لیا جو ایک یونانی غلام تھے اور جن کا تعلق
ایک شخص باشندہ طایف سے تھا۔ اس نکاح ثانی پر سمیہ کے ہاں سلمہ پیدا ہوا۔ کاتب الواقدی نے

ایک روایت نقل کی ہے کہ ابوجہل کے ہاتھ سے بی بی آخر شہید ہو گئیں - اور وہ روایت یہ ہے "فلما الات العشیی جاابوجہل فجعل یشتم سمیہ و یرفث ثم طعنہا فھی اول شھید استشھد فی الاسلام" یعنے ایک دن کے جبر و تعدی کے بعد شام کے وقت بوجہل آیا اور اس نے سمیہ پر لعنت ملامت کرنی شروع کی اور فحش الفاظ کا استعمال کیا اور پھر حربہ کر کے اسکو شہید کر دیا - سمیہ اسلام میں پہلی شہید ہوئی ہے" +

سمیہ کی شہادت کی نسبت ولیم میور کو شبہ ہے اور وہ تسلیم نہیں کرتے کہ ابوجہل نے ایسا کیا ہو یہ تو ممکن ہے کہ یہ روایت صحیح ہو مگر میور نے جو یہ اعتراض کیا ہے کہ مسلمان مورخوں اور راویوں نے ان تکالیف اور مصائب کو مبالغہ سے بیان کیا ہے جو مشرکین قریش سے مسلمانوں پہونچیں اس لئے یہ شہادت سمیہ کا الزام بھی ابوجہل کے سر تھوپ دیا ہے - یہ میور کی خام خیالی ہے ایک معمولی عقل کا آدمی بھی جانتا ہے کہ عرب انتہا درجہ کے تند مزاج اور سخت طبیعت تھے کہ اپنی نوپیدا لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے اور اسی طرح ان کی سختی کی بہت سی باتیں مشہور عام ہیں - اور اب تک صحرا نورد عربوں بلکہ حجازی عربوں میں بھی پائی جاتی ہیں پھر بلا وجہ مسلمان کو راویوں پر مبالغہ آمیزی کا الزام لگانا میور جیسے محقق کو شایاں نہیں ہے - اگر ان مظالم کی داستانیں غلط ہیں تو جو مظالم یہودیوں کی انجیلوں میں حضرت مسیح پر بیان کئے گئے ہیں وہ بھی محض غلط ہونگے سر پر کانٹوں کا تاج رکھنا - منہ پر تھوکنا بلا وجہ سولی دیدینا یہ ساری باتیں خلاف قیاس ہیں جو انجیلوں کی ترتیب دینے والوں نے یہودیوں کے خلاف گھڑلی ہیں +

عمار بن یاسر

حضرت عمار بن یاسر کے معاملہ میں بھی اختلاف ہے - بعض کا تو یہ قول ہے کہ ہجرت حبشہ میں آپ بھی شریک تھے - بعض اس میں مذبذب ہیں - کہتے ہیں آپ ۳۷ھ ہجری کو جنگ صفین میں شہید ہوئے تھے - شہادت کے وقت آپ کی عمر ۹۱ یا ۹۴ سال کی تھی +

ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو گورنر کوفہ بھی بنا دیا تھا +

نومسلم غلاموں پر سختیاں

قریشوں کے غصہ اور حسد کی آگ روز بروز زیادہ مشتعل ہونے لگی تھی کیونکہ نومسلموں کی تعداد

بڑھتے بڑھتے پچاس تک پہونچ گئی تھی۔ اور جلیل القدر سرداروں پر جو مسلمان ہوئے تھے اُن کا ہاتھ نہ پہونچ سکتا تھا مگر غلاموں پر انہوں نے پورا قبضہ پالیا اور ساتھ ہی ان کا دستِ ظلم اُن لوگوں پر بھی دراز ہوا جو پردیسی مسلمان تھے جن کا کوئی قبیلہ اور خاندان مکہ میں نہ تھا۔ ان لوگوں کو انہوں نے پکڑ کے قید کر دیا یا بعض کو مشکیں کس کے مکہ کی جلتی ہوئی زمین اور سخت دھوپ میں لٹا دیا۔ صرف لٹا دینے ہی پر اکتفا نہ کیا جاتا تھا۔ مگر گرم لوہے سے اُن کے جسم داغے جاتے تھے۔ اور یہ کہہ دیا جاتا تھا کہ اگر نئے مذہب سے تم توبہ کرو تو تمہیں چھوڑ دیا جائے گا۔ ورنہ تم اسی تکلیف میں مرجاؤ گے +

بعض نومسلم غلام سخت جانکندنی کی حالت میں بت پرستی کی طرف پھر رجوع ہو گئے۔ اگرچہ ان کا یہ رجوع ہونا محض اپنی جان کی حفاظت کے لئے تھا مگر بلال جو اُن ہی تکلیف اٹھانے والوں میں تھے زبانی بھی بت پرستی کی طرف رجوع نہیں ہوئے اور جب مظالم کی انتہا ہو چکی تو انہوں نے صاف طور پر التفاتی لہجہ میں یہ کہا" احد احد احد"

کاتب الواقدی لکھتا ہے کہ جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو یہ کیفیت معلوم ہوئی تو آپ بلال کے ظالم آقا کے پاس گئے اور کہا کہ کچھ لیکے اسے چھوڑ دو باہم اس کے متعلق گفتگو ہوئی۔ آخر ایک نو اوقیہ درہموں کی دیکے حضرت ابو بکر نے بلال کی جان بچائی۔ (صفحہ ۲۲۴)

ہشامی اس واقعہ کی نسبت یہ لکھتا ہے کہ جب بلال پر ظلم توڑے جا رہے تھے تو ورقہ کا اس طرف گذر ہوا ورقہ نے بلال کو خریدنا چاہا کہ اتنے میں حضرت ابو بکر بھی آ گئے جو بلال کے ظالم آقا کے قریب ہی رہتے تھے اور اس سے خطاب کر کے کہا" کیا تو خدا سے نہیں ڈرتا کہ اس غریب شخص کے ساتھ یہ سلوک کر رہا ہے، جواب دیا نہیں میں نہیں ڈرتا تو نے ہی میرے غلام کو بھگا کے اس پر یہ ظلم کروائے ہیں۔ اب تجھ ہی کو چاہیئے کہ تو ہی اس ظلم سے اسکو نجات بھی دلوائے۔ چنانچہ اس پر حضرت ابو بکر نے ایک اور غلام بلال کے عوض میں پیش کیا جو غلام بلال سے قد اور جسم میں زیادہ تھا۔ (صفحہ ۸۹) +

حضرت ابو بکر نے نہ صرف بلال کو آزاد کرایا بلکہ چھ عورتوں اور مردوں کو آزادی دلوائی جب حضرت ابو بکر کے والد نے یہ دیکھا تو اپنے بیٹے کو پاس بلا کے کہا کہ ان غریب اور بے بس لوگوں پر تو اپنا

روپیہ کیوں خرچ کرتا ہے یہ تیری بہت مدد نہیں کر سکتے اگر تو یہی روپیہ یہاں کے اعلےٰ درجہ کے خاندانی لوگوں میں صرف کرے تو اُن سے تجھے کتنی مدد مل سکتی ہے۔ اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے والد کو یہ جواب دیا کہ جو کچھ میرا خدا دل میں ڈالتا ہے وہی میں کرتا ہوں +

ان کے علاوہ پانچ اور اصحاب ہیں جن پر بھی اسی طرح سے سختیاں کی گئی ہیں مثلاً عامر بن فہیر ابو فقیہا۔ صہیب اور عمار کے والدین (کاتب الواقدی صفحہ ۲۲۷)۔

جن لوگوں پر اتنی سختیاں کی گئیں اور پھر بھی وہ اپنے دین پر قایم رہے۔ حضور انور نے ان کی تعریف کی اور ڈھارس بندھوائی۔ ایک دن حضور انور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گذر عمار پر ہوا حضور کی صورت دیکھ کر عمار رونے لگے۔ حضور نے دریافت کیا کیوں کیا بات ہے عمار نے عرض کیا یا رسول اللہ جب تک میں آپ کو بُرا بھلا نہ کہوں اور مشرکین کے دیتی خداؤں کی تعریف نہ کروں گا ظالم مجھے خلاصی نہ دیں گے۔ حضور انور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد کیا تو اپنے دل کی کیفیت بیان کر کہ تیرا دل کیا کہتا ہے عمار نے عرض کیا کہ دل اسی طرح دین خدا پر قایم ہے اور ویسا ہی زبردست ہے تو آپ نے ارشاد کیا مشرکین کو سختیاں اور ظلم کرنے دے اور تو کلمہ طیبہ پڑھے جا +

حضور انور اس وقت اپنے چچا ابو طالب کی حفاظت میں تھے اگرچہ آپ نے دین اسلام قبول نہیں کیا تھا لیکن پھر بھی قریشیوں کے مقابلہ میں اپنے عزیز بھتیجے کی حفاظت اور حمایت مستعدی سے کر رہے تھے۔ اسی طرح حضرت ابوبکر اور وہ لوگ جو مکہ کے زبردست قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے ذاتی آسیب سے بچے ہوئے تھے اور کسی کی ہمت نہیں پڑتی تھی کہ ان میں سے ایک شخص پر بھی ہاتھ ڈال سکتا +

جب مظالم کی انتہا ہو چکی اور پانی سر سے گذر چکا اور حضور انور نے ملاحظہ فرمایا کہ قریشیوں کے ظلم روز بروز بڑھتے جاتے ہیں تو آپ نے اپنے اصحاب کو کسی دوسری جگہ ہجرت کرنے اور پناہ لینے کا حکم دیا۔ مغرب کی جانب انگشت مبارک اُٹھا کے ارشاد کیا کہ تم اس طرف ملک میں چلے جاؤ جہاں تمہارے ساتھ انصاف کیا جائے گا اور وہاں اس وقت تک رہو جب خداوند تعالےٰ اپنی مرضی سے تمہارے آگے رستہ کھول دے۔ اُس زمانہ میں اہل مکہ

ملک حبش سے اچھی طرح واقف تھے کیونکہ عرب کا سامان تجارت بہت کثرت سے حبش کے بازار میں جاکے فروخت ہوتا تھا اور شاہ حبش کو عرب نجاشی کہا کرتے تھے۔ رجب کے مہینہ میں مطابق ماہ نومبر اور حضور انور کی نبوت کے پانچویں سال گیارہ آدمی کچھ سوار کچھ پاپیادہ اور چار اپنی بیوی بچوں کے ساتھ بندر شعیبہ کی طرف روانہ ہوئے۔ شعیبہ مکہ کا قدیم بندر تھا۔ اور جدہ سے اسکا بہت تھوڑا فاصلہ تھا۔ جس وقت مہاجرین بندر شعیبہ پر پہونچے تو دو کشتیاں تیار تھیں۔ ان پر سوار ہوگئے اور حبش چلے آئے۔ اہل مکہ نے ان لوگوں کا تعاقب کیا تھا۔ لیکن یہہ اُن کی زد سے نکل چکے تھے۔ حبش میں مہاجرین کا زمانہ بہ اطمینان بسر ہوا ؂

اس پہلی ہجرت کے بعد سورۂ النجم نازل ہوئی۔ اس سورۃ کے نازل ہوتے ہی حضور انور حرم میں تشریف لائے تاکہ مشرکین قریش کے مجمع میں پڑھ کے سنائیں اس سے پہلے مصلحت اور دور اندیشی کی وجہ سے آپ علانیہ وعظ نہ فرماتے تھے۔ جب آپ نے بھری مجلس میں یہ سورۃ پڑھنی شروع کی تو ایک مشرک شیطان نے بجائے آیہ افرایتم اللات و منات الثالثۃ الاخرےٰ کی جگہ یہ عبارت بنا کے کہ "تلک الغرانیق العلےٰ و ان شفاعتھن لترتجی" قریشیوں سے جاکے بیان کردیا کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) یہ کہہ رہے ہیں۔ حالانکہ اس کا اشارہ بھی اُس ذات اقدس و اطہر کی طرف نہیں ہوا تھا۔ بیوقوف قریش یہ سمجھے کہ یہ کلمہ حضور انور ہی کی زبان سے نکلا ہے مارے خوشی کے پھولے نہ سمائے اور اتفاق ایسا ہوا کہ حضور انور نے سورہ والنجم ختم کرنے کے بعد خدا وحدہ لاشریک کو سجدہ کیا کل مشرک اپنی غلط فہمی سے آپ کے ساتھ سجدے میں گر پڑے مگر ولید۔ جو سارے جلسہ میں بڑی عمر کا تھا ایک خاک کی مٹھی اُس نے اُٹھائی اور اپنی پیشانی کو اس پر ٹیکایا مشرک خوشی خوشی اپنی غلط فہمی کے نشہ میں مجلس سے اُٹھے۔ اور آپس میں ذکر کرنے لگے کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) نے جب ہمارے خداؤں کی نسبت اچھے الفاظ کا استعمال کیا ہے تو ہمیں بھی چاہئے کہ ہم آپ کو ایذا دینے سے اپنا ہاتھ روک لیں۔ اس کے بعد حضور انور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ خبر ہوئی۔ آپ یہ سُن کر بہت ہی غمگین ہوئے کہ ایک شیطان قریش نے غلط فہمی اپنے بھائیوں میں کس طرح پیدا

کر دی جس وقت حضور انور اپنے مکان پر تشریف لائے تو فوراً یہ آیتہ نازل ہوئی۔ ودٌ وما ارسلنا من قبلك من رسول ولا نبی الا اذا تمنی القی الشیطان فی امنیتہ فینسخ اللہ ما یلقی الشیطان ثم یحکم اللہ ایاتہ واللہ علیم حکیم" قریش کو اس خبر کی اطلاع ہوئی تو وہ بہت گھبرائے اور انہوں نے کہا کہ ہم نے جو اس بات کا عہد کیا تھا کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) سے مخالفت نہیں کرنے کے وہ عہد ہم نے توڑ ڈالا۔ اب ہم کھلم کھلا پھر اسی طرح آزار پہونچائیں گے +

سورۂ والنجم اور اس کی ایک آیت میں ایک شریر قریش کے چند جملے شریک کر دینے کا اصل واقعہ یہ ہے جو ہم نے بیان کیا۔ جس کو مسیحی معترضوں نے بہت رنگ آمیزی کر کے بیان کیا ہے اور جس کی حقیقت در اصل کچھ بھی نہیں +

مشرکین قریش کا تعاقب

غرض جب مظلوم مسلمان ہجرت کر کے حبش چلے گئے تو عمرو عاص اور عمارہ بن ولید اور بہت سے قریش مسلمانوں کے تعاقب میں حبش پہنچے۔ اور وزرائے سلطنت کو تحفہ تحائف دیکے اس بات پر راضی کر دیا کہ وہ انہیں شاہ حبش کے دربار میں پیش کر دے چنانچہ یہ قریش شاہ حبش کے دربار میں حاضر کئے گئے اور ان سب نے ملکی رسم کے بموجب شاہِ حبش کو سجدہ کیا اور تحفے پیش کئے۔ اور عرض کیا کہ ہمارے گروہ میں سے چند نوجوانوں نے ایک ایسا دین اختیار کیا ہے جو تیرے اور ہمارے دونوں دینوں سے مخالف ہے اور وہ لوگ یہاں تیرے ملک میں آکے مطمئن ہو بیٹھے ہیں +

اب ہماری التجا یہ ہے کہ ان لوگوں کو تو ہمارے سپرد کر دے تو ہم انہیں اپنے قبیلہ کے پاس لے جائیں۔ ایک وزیر طارقہ نامی جو ان مشرکوں سے رشوت کھا چکا تھا سفارش کرنے لگا کہ بے شک ان لوگوں کا حق ہے کہ وہ پناہ گزین ان کے سپرد کر دئیے جائیں۔ یہ سُن کے نجاشی کو غصہ آیا اور اُس نے کہا خدا کی قسم میں ایسا نہیں کرنے کا۔ جس قوم کے لوگوں نے میرے ہاں پناہ لی ہے میں اُنہیں کیونکر اپنے گھر سے نکال سکتا ہوں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ میں اُنہیں بلاتا ہوں اور ان سے دریافت کرتا ہوں دیکھوں وہ کیا کہتے ہیں۔

چنانچہ ایک چوبدار مسلمانوں کے پاس آیا اور کہا کہ ہمارا بادشاہ تمہیں یاد کرتا ہے۔ مسلمان چلنے پر مستعد ہو گئے اور باہم مشورہ کرنے لگے کہ اگر اس نے ہمارے دین کے متعلق سوال کیا تو ہم کیا جواب دیں۔ حضرت جعفر طیار حضرت علی بن ابی طالب کے بھائی اس مجمع میں تھے۔ انہوں نے کہا کہ دین کی نسبت جو خدا و رسول نے ہمیں بتایا ہے بے کم و کاست وہی کہنا چاہیئے اس پر سب مسلمان راضی ہو گئے اور حضرت جعفر کو اپنی طرف سے مختار بنا کے دربار میں آئے اور ملک کی رسم کے مطابق سجدہ نہیں کیا ❊

اس پر ایک درباری نے ٹوکا تو حضرت جعفر نے فرمایا ہمارے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے حکم دے دیا ہے کہ سوائے خدا کے ہم کسی کو سجدہ نہ کریں اس لئے ہم نجاشی کو ہرگز سجدہ نہیں کرنے کے ❊

یہ سن کے نجاشی کے دل پر ایک ہیبت سی طاری ہو گئی اور اس نے مسلمانوں کو سجدہ کرنے پر مجبور نہیں کیا۔ اور حضرت جعفر طیار سے خطاب کر کے کہا کہ تمہارے ہم وطن تمہیں مانگنے آئے ہیں اور کہتے ہیں کہ میں تمہیں ان کے سپرد کر دوں۔ حضرت جعفر نے جواب دیا اے نجاشی تو ان سے دریافت کر کہ کیا ہم ان کے غلام ہیں جو یہ ہم پر دعوے کرتے ہیں۔ ان سے دریافت کیا گیا تو ان میں سے عمرو نے جواب دیا۔ نہیں نہیں ہرگز نہیں حاشا یہ لوگ آزاد اور قبیلہ میں بزرگ ہیں پھر حضرت جعفر نے کہا کہ کوئی ... خونبہا ان کا ہمارے ذمہ ہے۔ عمرو نے انکار کیا۔ اس پر حضرت جعفر نے کہا کہ پھر یہ ہم سے کیا چاہتے ہیں اور ہم نے ان کا کیا بگاڑا ہے ❊

جب یہاں تک بات پہنچی تو عمرو عاص نے کہا کہ اے بادشاہ ان لوگوں نے ہمارے اور ہمارے باپ دادا کے دین سے مخالفت کی ہے اور ہمارے معبودوں کو گالیاں دیتے ہیں اور اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ ہمارے نوجوان آدمیوں کے عقیدوں کو خراب کر دیں۔ اسی سبب سے ہماری جماعت میں پریشانی پیدا ہو گئی ہے تو انہیں مجبور کر کہ یہ پھر ہمارا دین اختیار کر لیں اس پر نجاشی نے حضرت جعفر کی طرف خطاب کر کے کہا کہ تم اس کا جواب دو کہ تم کیوں ان لوگوں سے مذہب میں مخالفت کرتے ہو نہ تم نے دین یہود اختیار کیا

نہ دین نصاریٰ ہی تم اس کا جواب مجھے دو اس پر حضرت جعفر نے فرمایا۔ ایھا الملک کنا قوما اہل جاھلیۃ نعبد الاصنام وناکل المیتۃ ونأتی الفواحش ونسیئ الجوار ویاکل القوی منا الضعیف فکنا علی ذالک حتی بعث اللہ الینا رسولا منا نعرف نسبہ وصدقہ وامانتہ وعفافہ فدعی الی اللہ لنوحدہ ونعبدہ ونخلع ماکنا نعبد نحن واباءنا من دونہ من الحجارۃ والاوثان وامرنا ان نعبد اللہ وحدہ ولا نشرک بہ شیئا وامرنا بالصلوۃ والزکوۃ والصیام (فعدد علیہ امور الاسلام ثم قال) وامر بصدق الحدیث واداء الامانۃ وصلۃ الرحم وحسن الجوار والکف عن المحارم والدماء ونھانا عن الفواحش وقول الزور واکل مال الیتیم وقذف المحصنات فصدقناہ واتبعناہ علی ماجاء بہ من اللہ تعالیٰ فعبدنا اللہ تعالیٰ وحدہ ولا نشرک بہ وحرمنا ما حرم اللہ علینا واحللنا ما احل لنا فعدی علینا قومنا فعذبونا وفتونا عن دیننا الیردونا علی عبادۃ الاوثان من عبادۃ اللہ تعالیٰ وان نستحل ماکنا نستحل من الخبائث لما قھرونا وظلمونا وضیقوا علینا وحالوا بیننا وبین دیننا خرجنا الی بلادک واخترناک علی من سواک ورغبنا فی جوارک ورجونا ان لا نظلم عندک یا ایھا الملک۔" (ترجمہ) اے پادشاہ ہم ایک جاہل اور گمراہ قوم تھے۔ بت پوجتے تھے۔ مردار گوشت کھاتے تھے۔ بدکاریاں کرتے تھے۔ ہمسایوں سے بدی پیش آتے تھے۔ زبردست کمزور کا مال کھا جاتا تھا اور ایک مدت سے ہماری یہی حالت چلی آتی تھی۔ یہاں تک کہ خدا نے ہم ہی میں سے ہمارے پاس ایک پیغمبر بھیجا جس کی شرافت۔ نسب۔ راست بازی اور پاکدامنی سے ہم خوب واقف تھے۔ پس اُس نے ہم کو خدا کی طرف بلایا تاکہ ہم صرف اسی ایک خدا کو خدا جانیں اور اسی کی عبادت کریں۔ اور اُن بتوں اور پتھروں کی پرستش چھوڑ دیں جن کو ہم اور ہمارے باپ دادا پوجتے تھے اور حکم دیا کہ ہم صرف خدا ہی کی عبادت کریں اور کسی چیز کو ذات اور صفات اور استحقاق عبادت میں اُسکے ساتھ شریک نہ کریں اور ہم کو پانچوں وقت نماز پڑھنے اور سال بھر بعد بقیہ مال کا چالیسواں حصّہ صدقہ دینے اور ماہ رمضان میں بیماری اور سفر کے سوا، روزہ رکھنے کا

حکم دیا (پھر ایک ایک کرکے تمام احکام اسلام اُس کے سامنے بیان کئے اور کہا کہ) اُس پیغمبر نے ہم کو سچ بولنے اور امانت کو اس کے مالک کے پاس پہونچا دینے اور قرابت داروں سے رعایت و مروت کرنے اور ہمسایوں کے ساتھ نیکی سے پیش آنے اور بُرے اور حرام کاموں اور خون خرابوں سے بچنے کا حکم دیا اور بدکاریوں اور جھوٹی گواہی دینے اور بن ماں باپ کے بچوں کا مال کھا لینے اور پاکدامن عورتوں پر تہمت لگانے سے منع کیا۔ پس ہم نے اسکو سچا جانا اور جو احکام خدا کی طرف سے اُس نے پہونچائے اُن سب کی پیروی اختیار کی۔ پس ہم صرف ایک ہی خدا کی عبادت کرتے ہیں۔ اور کسی چیز کو کسی بات میں بھی اس کے ساتھ شریک نہیں کرتے اور جو چیز خدا نے ہم پر حرام کر دی ہے اس کو حرام۔ اور جو حلال کر دی ہے اس کو حلال جانتے ہیں۔ پس اس بات پر ہماری قوم دشمن ہوگئی۔ اور طرح طرح سے ہم کو دُکھ دیا اور ہم کو ہمارے دین سے پھرانا چاہا کہ خدا کو چھوڑ کر پھر بت پوجنے لگیں اور جن بُری باتوں اور چیزوں کو ہم پہلے جائز سمجھتے تھے اُن کو جائز جانیں۔ پس جبکہ انھوں نے ہم کو نہایت عاجز کر دیا۔ اور طرح طرح کے ظلم کئے اور نہایت تنگ و دق کیا۔ اور ہمارے دین میں ہمارے مزاحم ہوئے تو ہم اپنا وطن چھوڑ کر اور تجھ کو اور بادشاہوں کی بہ نسبت اچھا جان کر تیرے ملک میں چلے آئے۔ اور یہ امید کرکے کہ تیرے ہوتے کوئی شخص ہم پر ظلم نہ کر سکے گا تیری پناہ اختیار کی +

یہ سُن کے نجاشی بہت متاثر ہوا اور اس نے جعفر طیار سے سفارش کی کہ کیا آپ کوئی سورۃ اس کتاب کی پڑھ کے سنا سکتے ہیں جو آپ کے پیغمبر پر نازل ہو رہی ہے۔ حضرت جعفر طیار نے سورہ کھٰیٰعص پڑھنی شروع کی اور جب آپ اس آیت پر پہونچے " فکلی واشربی وقری عینا فینبت " تو نجاشی رونے لگا اور اس کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہوگئی اور اساقفہ جو اپنی اپنی آسمانی کتابیں کھولے بیٹھے تھے اس قدر روئے کہ ہچکی بندھ گئی۔ بے ساختہ نجاشی کی زبان سے یہ نکل گیا " ان ھذا لھو الحق " اور ایک دوسری روایت ہے کہ نجاشی نے قرآن مجید سن کے کہا خدا کی قسم جو کلام موسےٰ پر نازل ہوا تھا اور یہ کلام یکساں معلوم ہوتا ہے اس کے بعد شاہ حبش نے عمرو عاص اور عمارہ سے کہا کہ میں ان لوگوں کو کبھی تمہارے سپرد نہیں کرنے کا۔ ام سلمہ کا بیان ہے کہ جب قریش سخت مایوس ہوئے تو عمرو عاص نے اُن کے

آنسو پوچھے کہ دل شکستگی کی کوئی وجہ نہیں ہے کل میں پھر نجاشی کے پاس جاؤں گا اور اُس کو ایسا مجبور کروں گا کہ وہ ان لوگوں کو قطعی ہمارے حوالہ کر دے گا مگر عبداللہ بن ربیعہ نے سر ہلایا اور کہا کہ کامیابی ممکن نہیں معلوم ہوتی کیوں خواہ مخواہ اور ذلت کرنی مگر عمرو عاص نے نہیں مانا اور وہ ضد کا پورا دوسرے روز پھر نجاشی کے دربار میں پہنچا۔ مختلف باتیں ہونے کے بعد عمرو عاص کہنے لگا کہ یہ گروہ جس پر آپ نے اتنی مہربانی کی ہے حضرت عیسےٰؑ کی نسبت اچھے خیالات نہیں رکھتا۔ حضور کا تو عقیدہ ہے کہ عیسےٰ خدا کا بیٹا ہے اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ عیسےٰؑ خدا کا بندہ ہے۔ نجاشی نے یہ سن کے پھر مسلمانوں کو طلب کیا اور سوال کیا کہ عیسےٰؑ کی نسبت تمہارا کیا خیال ہے۔ حضرت جعفر نے جواب دیا کہ جو کچھ خداوند تعالےٰ نے حضرت عیسےٰؑ کی نسبت فیصلہ کیا ہے وہی ہم لوگ بھی کہتے ہیں چنانچہ خداوند تعالےٰ فرماتا ہے۔ "ھُوعبد اللہ و رسولہ و کلمتہ القھا الی مریم و روح منہ" یہ سنتے ہی نجاشی نے چوب پارہ زمین سے اُٹھالی اور کہا ہم میں اور تم میں کچھ فرق نہیں ہے۔ مرحبا تمہیں اور اُس شخص کو جس کے پاس سے تم آئے ہو۔ میں علانیہ شہادت دیتا ہوں کہ بیشک محمد عربی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم برحق نبی ہیں اور آپ وہی نبی ہیں جن کی حضرت عیسےٰؑ نے بشارت دی ہے اور ہم نے اپنی آنکھوں سے انجیل میں آپ کی صفت مشاہدہ کی ہے۔ تم فارغ البال میرے ملک میں رہو کوئی تمہیں آنکھ بھر کے نہیں دیکھ سکتا۔ اور اگر ذرا بھی کسی نے چھیڑ چھاڑ کی تو میں اُسے کافی سزا دونگا۔ وہ اگر مجھے رشوت میں روپیہ بھی دیں گے جب بھی میں تم میں سے ایک کو بھی اُن کے حوالہ نہیں کرنے کا کیونکہ خداوند تعالےٰ نے اس ملک کو بغیر رشوت کے مجھے عنایت کیا ہے۔ میں کبھی رشوت نہیں لینے کا اور نہ تمہارے خلاف کسی کی بات سنوں گا یہ کہہ کے اُس نے اپنے وزرا کو حکم دیا کہ قریشوں کے ہدیہ کی چیزیں واپس کر دو۔ ہجرت حبشہ کے متعلق یہ بات فروگذاشت نہیں کی جا سکتی کہ مہاجرین میں سے بعض اشخاص یہ غلط افواہ سن کر کہ قریش نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صلح کر لی ہے تخمیناً تین مہینے بعد مکہ کو واپس چلے آئے تھے۔ مگر قریب پہونچکر اس خبر کی غلطی معلوم ہوئی تو بہ مجبوری کوئی مخفی طور پر اور کوئی اپنے کسی رشتہ دار وغیرہ کی پناہ لے کر شہر میں آگیا۔ مگر اللہ ری

حمیت اسلام و توکل سمجھا کہ عثمان بن مظعون کو معاً یہ خیال آیا کہ کیا خدائے عزوجل کو چھوڑ کر میں ایک ذلیل مشرک کی پناہ لوں۔ پس اُس پاک اعتقاد نے فوراً ولید بن مغیرہ کو، جو ان کی محافظت کا ذمہ دار بنا تھا جا کر کہہ دیا کہ مجھ کو تیری پناہ کی حاجت نہیں اس اثناء میں ایک مشہور و معروف شاعر نے جس کا نام لبید تھا ایک روز قریش کے مجمع میں اپنا یہ شعر پڑھا۔

اَلَا کُلُّ شَیءٍ مَا خَلَا اللّٰہَ بَاطِلٌ ؛ وَکُلُّ نَعِیْمٍ لَا مَحَالَۃَ زَائِلٌ

یعنی آگاہ ہو کہ خدا کے سوا ہر ایک شے باطل ہے + اور ہر ایک نعمت بے شبہ زوال پذیر ہے پس عثمان نے پہلے مصرع کو سن کر کہا "صَدَقْتَ" یعنے تو نے سچ کہا ہے۔ مگر جب دوسرا مصرع پڑھا تو کہا "کَذَبْتَ" یعنے تو جھوٹ کہتا ہے۔ نعمائے جنت دائمی اور لازوال ہیں جس سے لبید کو بہت رنج ہوا۔ اور اُس نے اہل مجلس کو کہا کہ تمہاری مجالس کا تو یہ ڈھنگ نہ تھا اور نہ تمسخر کرنا ہی تمہاری شان سے تھا۔ پس اُن میں سے ایک نے اُٹھ کر عثمانؓ کے منہ پر ایسے زور سے تھپڑ مارا کہ اُن کی آنکھ کو سخت صدمہ پہونچا اور ولید نے طنزاً کہا کہ کیوں ؟ میری پناہ ترک کرنے کا مزا دیکھا ؟ جس کا بزرگوار نے یہ ایمان و ایقان سے بھرا ہوا جواب دیا کہ میری دوسری آنکھ بھی خدا کے راہ میں طمانچہ کھانے کو حاضر ہے اور خدا کے سوا میں کسی کی پناہ کا محتاج نہیں[1]۔ اور اپنے اس نہایت صابرانہ چلن سے اُس نصیحت کی تعمیل گویا آنکھوں سے کر دکھائی جو جناب مسیح نے اپنے مریدوں کو کی تھی کہ ظالم کا مقابلہ نہ کرنا بلکہ جو کوئی تیرے داہنے گال پر طمانچہ مارے دوسرا بھی اُس کی طرف پھیر دے +

یہ تھا جوش اسلام اور یہ تھی صبر کی قوت جس کی نظیر دنیا میں نہیں ملتی۔ ہر مسلمان کے اقوال اعمال۔ اور نشست برخاست جزوی اور کلی معاشرت سے اسلام کی صداقت تاباں تھی بچے سے لے کے بوڑھے تک اور فقیر سے لے کے دولت مند تک جو ایک دفعہ دایرۂ اسلام میں آگیا اس نے پھر دوسری طرف کا رخ نہیں کیا +

---

[1] تاریخ ابن ہشام صفحہ (۲۴۳) اور تاریخ ابن اثیر جلد دوم صفحہ (۳۱)

مہاجرین حبشہ کی واپسی

دو مہینے کے بعد حبشہ میں یہ غلط خبر پہونچی کہ حضور انور اور قریش سے مصالحت ہو گئی ہے۔ اس خبر کی در اصل کوئی بھی بنیاد نہ تھی صرف یہ بات دیکھنے کی ہے کہ حضور انور پر حرم کعبہ میں جو ایک بت پرست عرب نے طوفان اٹھایا تھا اور قرآن مجید کی عبارت کے ساتھ اپنا ایک جملہ لات و عزیٰ کی تعریف کا ملا کے لوگوں میں یہ مشہور کر دیا تھا کہ محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے یہ کہا ہے (اور اس کی مفصل بحث ہم گذشتہ صفحوں میں کر چکے ہیں) اور اس سے مشرکین قریش کو ایک گونا طمانیت ہو گئی تھی۔ اس لیئے یہ افواہ حبشہ تک پہونچی کہ محمد (صلے اللہ علیہ آلہ وسلم) اور مشرکین قریش میں صلح ہو گئی۔ یہ سُن کے سب مہاجرین واپس چلے آئے۔ یہ لوگ ماہ رجب میں ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے تھے اور شعبان المکرم اور رمضان المبارک دو مہینے تک حبشہ میں رہے (حضور انور کی نبوت کا یہ پانچواں سال تھا) مگر جب مکہ کی حدود میں پہونچے۔ تو ایک قافلہ سے جو مکہ سے آ رہا تھا۔ اُنہیں معلوم ہوا کہ صلح کی خبر غلط ہے۔ قریش مثل سابق کے آمادہ پرخاش ہیں۔ ان مہاجرین نے یہ سُن کے باہم مشورہ کیا اور آخر یہ طے پایا کہ جب اتنی دور سے آئے ہیں تو اپنے رشتہ داروں سے بھی مل لیں جو کرے سو مولے۔ اس خیال سے وہ مکہ کے اندر داخل ہوئے۔ اور اُنہوں نے یہ بات طے کر لی تھی کہ اگر قریشیوں کی مخالفت کی وہی کیفیت رہی تو ہم پھر حبشہ واپس چلے جائیں گے۔ مہاجرین کے احباب اور رشتہ داروں کو اس کی خبر ہو گئی تھی وہ استقبال کے لیئے آ گئے تھے۔ اس لیئے ہر مہاجر اپنے رشتہ دار یا دوست کے ساتھ داخل مکہ ہوا *

قریشیوں کی سفارت حبشہ کی ناکامی اور مہاجرین کی خاطر مدارات کی خبروں نے مشرکین کے دلوں میں مخالفت اور غیظ و غضب کی نئی روح پھونک دی تھی اور وہ پہلے سے زیادہ ظلم کرنے لگے۔ جب مظالم کی انتہا ہو چکی تو مسلمانوں نے دوبارہ ہجرت کرنی چاہی چھٹے سال نبوت دوسری ہجرت کا آغاز ہوا۔ اور اس کے بعد کم و بیش دو دو چار چار مسلمان معہ اپنے بیوی اور بچوں کے روانہ ہوتے رہے یہانتک کہ اُن کی تعداد معہ بال بچوں کے ایک سو ایک تک

پہونچ گئی۔ اس میں ۸۳ مرد تھے۔ عورتوں میں گیارہ تو قبیلہ قریش کی تھیں اور سات عورتیں دوسرے عربی قبایل سے تعلق رکھتی تھیں۔ مگر چند روز کے بعد ۳۳ مرد آٹھ عورتوں کے ساتھ پھر کر واپس چلے آئے ان میں حضرت عثمان غنی اور آپ کی بی بی حضرت رقیہ بھی تھیں۔ اور سے مہاجر چند روز کے بعد مدینہ ہجرت کر کے چلے گئے تھے۔ باقی مہاجر کئی سال تک حبشہ ہی میں رہے اور جب تک ہجرت کے ساتویں سال خیبر فتح نہ ہو گیا واپس نہیں آئے ✤

(حضرت ابو طالب کو حضور انور کی حفاظت سے باز رکھنے کی کوشش)

حضور انور کو اگرچہ ابھی ایسا مجبور نہیں کیا گیا تھا کہ آپ بھی اپنے متبعین کے ساتھ ہجرت کرتے لیکن مخالفوں کی خون آلود آنکھیں آپ پر اُٹھنے لگی تھیں اور قریش آمادۂ پیکار ہوتے جاتے تھے۔ حضرت ابو طالب کا قریشیوں کو بہت خیال تھا اور وہ اسی لئے آپ پر براہ راست ہاتھ ڈالتے ہوئے جھجکتے تھے۔ اخیر باہم مشورہ کے بعد یہ طے پایا کہ معززا اور بڑی عمر والوں کی ایک سفارت ابو طالب کے پاس جائے اور انہیں آیندہ خطرے سے آگاہ کر دے پھر جو کچھ ہو کیا جائے۔ اس مشورہ ہونے کے بعد چند آدمیوں کی ایک سفارت حضرت ابو طالب کے پاس آئی۔ اس سفارت میں ولید ابن المغیرہ۔ عتبہ بن ربیعہ۔ ابو جہل۔ ابو سفیان وغیرہ شریک تھے۔ اور ان لوگوں نے حضرت ابو طالب سے یہ کہا " تیرا بھتیجہ ہمارے معبودوں کو برملا بُرا بھلا کہتا ہے اور اُنہیں ہیچ بتاتا ہے۔ اور ہمیں اور ہمارے باپ داداؤں کو بیوقوف کہتا ہے۔ اب ہم اس سے پورا انتقام لیں گے۔ تجھے صرف اطلاع کرنے آئے ہیں کہ کیا تو ہمکا انتقام کر دیتا ہے یا اسی کا ساتھ دیتا ہے " اس کا جواب ابو طالب نے بہت نرمی اور اخلاق سے بھرا ہوا دیا۔ جواب سن کے وہ لوگ واپس چلے گئے۔ چند روز کے بعد وہ پھر ابو طالب کے پاس آئے اور اب کے اُن کا غصہ بہت بڑھا ہوا تھا اور اُنہوں نے ابو طالب سے یہ کہا " اب ہم صبر نہیں کر سکتے پانی سر سے گذر چکا ہے ہم سے بُرا بھلا نہیں سُنا جاتا کیا تو تو اس سے علیحدہ ہو جا یا اس کی حمایت پر کمر بستہ ہو جا اور پھر اس معاملہ کا فیصلہ بہت اچھی طرح ہو جائے گا " یہ کہہ کے واپس چلے گئے۔ اور انہوں نے اس کا کوئی جواب ابو طالب سے سُننا نہ چاہا ✤

ابوطالب سخت پریشان ہوئے کہ کیا کریں اگر اپنے قبیلہ سے جدا ہوتے ہیں تو ہو نہیں سکتے۔ اور ساتھ ہی محبت یہ گوارا نہیں کرتی کہ اپنے بھتیجہ کو تنہا چھوڑ دیں۔ ناچار اسی کشمکش میں اُنہوں نے حضور انور کو بلایا اور قریشوں کی ساری باتیں دوہرا کے یہ کہا "اب تم اپنے کو بھی اور مجھے بھی بچاؤ اور مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈالو جو مجھ سے اُٹھ نہ سکے یہ حیلہ ابوطالب کا بڑا غضبناک تھا اور اس سے صاف پایا جاتا تھا کہ ابوطالب اپنے بھتیجہ سے علیحدگی چاہتے ہیں۔ حضور انور کے لئے یہ وقت واقعی بہت نازک تھا کہ آپ کا چچا جس نے آپ کی پرورش کی اور ابھی تک حفاظت کرتا رہا۔ اب آپ سے جدا ہوتا ہے اور تنہا آپ کو کثیر تعداد دشمنوں کے مقابلہ میں چھوڑتا ہے اس سخت اور خطرناک موقع پر بھی آپ نے اپنے استقلال کو ہاتھ سے نہیں دیا اور آپ کے عالی ہمم ارادے جوں کے توں قایم رہے آپ نے نہایت پرزور لہجہ میں اپنے چچا کو یہ جواب دیا ؎

"اگر مشرکین قریش کرۂ آفتاب کو میرے داہنے ہاتھ پر اور"
"کرہ ماہتاب کو میرے بائیں ہاتھ پر رکھدیں اور کہیں"
"کہ جو کام میں کرتا ہوں اس سے دست بردار ہو جاؤں"
"تو وہ یاد رکھیں ایسا کبھی نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ کام"
"نہ ہو جائے جس کے لئے خداوند تعالےٰ نے مجھے بھیجا"
"ہے یا میں اسی نیک کوشش میں ہلاک ہو جاؤں۔"

یہ زبردست اور مستحکم الفاظ سُن کے ابوطالب کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور شفقت جوش میں آگئی پھر آپ زار زار رونے لگے۔ حضور انور کو جو جواب دے کے واپس جاتے تھے بلایا اور کہا "اے میرے بھتیجے مجھ سے ناراض ہو کے نہ جا جو کچھ تیری خواہش ہو۔ کر۔ خدا کی قسم کی صورت سے بھی میں تجھ سے جدا نہیں ہونے کا ؎

حضرت ابوطالب کے پاس مشرکین قریش کی سفارت آنے کے متعلق اور بھی کئی مختلف روایتیں معتبر مورخین نے اپنی کتابوں میں درج کی ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ جب ابوطالب بیمار ہوئے اور آپ کی زندگی کی امید منقطع ہو گئی تو مشرکین قریش کی ایک جماعت بستر مرگ پر

ابو طالب کے پاس آئی اور کہا کہ ہم ایک فیصلہ کرنا چاہتے ہیں اگر تمہاری موجودگی میں ہو جائے تو بہتر ہے۔ وہ یہ ہے کہ تم اپنے بھتیجے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) سے ہمارا یہ معاہدہ کرا دو کہ ہمارے معبودوں کی نسبت سخت الفاظ استعمال نہ کریں اور وہ ہمارے مذہب پہ چلنے کریں ہم اس کے مقابل میں یہ وعدہ کرتے ہیں کہ اُن کی مخالفت سے دست بردار ہو جائیں گے۔ اور انہیں کسی قسم کی تکلیف نہ دیں گے اس سے یہ بھی فائدہ ہوگا کہ باہمی یکجہتی بنی رہے گی اور قبایل میں مخالفت نہ ہوگی۔ یہ سُن کے ابو طالب نے حضور انور کو بلایا اور قریشیوں کی اس خواہش کی اطلاع دی۔ حضور نے اس کا جواب یہ دیا کہ صرف ایک لفظ ہے اگر تم (قریشیوں کی طرف خطاب کر کے) زبان اور دل سے کہتے لگو تو کل عرب اور عجم کو فتح کر سکتے ہو۔ اس پر ابو جہل نے جواب دیا "اگر یہ بات ہے تو ہم ایک لفظ نہیں بلکہ دس لفظ کہنے کے لئے موجود ہیں" یہ سن کے حضور انور نے ارشاد کیا اچھا تو کہو "لا الٰہ الا اللہ" اور چھوڑ دو جو کچھ تم اس ذات وحدہ لاشریک کے علاوہ پوجتے ہو۔ یہ سُن کے وہ غصہ کے مارے کانپ اُٹھے اور اُنہوں نے نہایت تلخ ترلہجہ میں یہ کہا "کیا تو چاہتا ہے کہ کل معبودوں کے مقابلہ میں صرف ایک ہی معبود پر قناعت کرلیں یہ ایک عجیب بات ہے یہ کہہ کے اُنہوں نے باہم ایک دوسرے سے کہا اس شخص (یعنے حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم) سے بات نہ کرو یہ اپنی بات پر قایم ہے اس سے کوئی معاہدہ ہونا ممکن نہیں چلو اور اپنے باپ دادا کے مذہب پر قایم رہو۔ ہمارا اس کا فیصلہ بہت جلد ہو جائے گا اور ہم اس سے سمجھ لیں گے" یہ کہہ کے اُلٹے پھرتے نظر آئے۔ (ہشامی صفحہ ۱۳۶)

اسی کے متعلق ایک اور روایت بیان کی جاتی ہے کہ جس دن ابو طالب سے یہ جواب وسوال ہوئے تو حضور انور کہیں غائب ہو گئے اور ابو طالب نے ہر جگہ تلاش کرایا۔ لیکن آپ کا پتہ نہ لگا اس پر ابو طالب سخت پریشان ہوئے اور آپ نے تلاش کرنے کے لئے ہاشمیوں میں سے چند نوجوان آدمیوں کو بھیجا کہ جہاں تک تم سے ممکن ہو تلاش کرو اور آپ کا پتہ لگاؤ۔ یہ گروہ روانہ ہوا اور راستہ میں اُسے پتہ لگا کہ حضور انور صفا کے مکان میں محفوظ موجود ہیں۔ چنانچہ آپ ہاشمیوں کے ساتھ اپنے مکان واپس چلے آئے۔ دوسرے دن ابو طالب کل ہاشمیوں کو

جمع کرکے اپنے ساتھ حضور انور کو لے کے کعبہ پہونچے - یہاں مشرکین قریش کا ایک گروہ موجود تھا - حضور انور کی صورت دیکھتے ہی کل قریشیوں نے تلواریں نکال لیں اور آپ کی طرف تیز تیز نظروں سے دیکھنے لگے اس پر ابو طالب نے جوش میں آکے یہ کہا " خدا کی قسم اگر تم اُسے (یعنے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو) قتل کر ڈالو گے تو تم میں سے پھر ایک شخص بھی زندہ نہیں رہنے کا اور ہماری تمہاری لڑائی ٹھن جائے گی اور جب تک ہم میں سے ایک گروہ ناپید نہ ہو جائے ہم وار کو ہاتھ سے نہیں رکھنے کے - ان جوشیلے الفاظ سے قریشیوں پر کچھ ایسی ہیبت چھائی کہ وہ سب وہاں سے رفوچکر ہو گئے اور کسی کو حضور انور پر ہاتھ ڈالنے کی جراءت نہیں پڑی - (کاتب الواقدی صفحہ ۲۸)

یہ روایت کچھ زیادہ قابل اعتبار نہیں معلوم ہوتی کیونکہ دوسرے معتبر مورخوں نے اُسے بیان نہیں کیا اگرچہ ایسا ہونا تعجب انگیز نہیں ہے لیکن اس روایت پر ہمیں زیادہ اعتبار کرنے کی وجہ نہیں معلوم ہوتی ؞

یہ صحیح ہے کہ جب تک ابو طالب زندہ رہے کسی مشرک قریش کو یہ جراءت نہیں پڑی کہ آپ پر تلوار سے حملہ کرتا کیونکہ اس بات کا ضرور خوف تھا کہ ہاشمیوں سے انقطاعی جنگ لڑنی پڑے گی - لیکن تو بھی آپ کو ستانے اور پریشان کرنے میں کوئی دقیقہ نہیں اُٹھا رکھا تھا ؞

ابولہب جو آپ کے مکان کے پاس رہتا تھا آپ کا تلخ تر دشمن تھا وہ اکثر آپ پر دنبے کی اوجھڑیاں نماز پڑھتے وقت پھینک دیتا تھا اور کھانا کھاتے وقت آپ کے کھانے میں ناپاکی ڈال دیتا تھا - ایک دن آپ پر دنبے کی انتڑیاں پھینک دیں - ان ناپاک انتڑیوں کا ہار پہنے ہوئے آپ شاہراہ میں نکل آئے اور بآواز بلند کہا کہ ہمسائگی کا یہی حق ہے کہ ابولہب ادا کر رہا ہے اے عبد مناف کی اولاد کیا تمہارے اخلاق ایسے ردی ہو گئے کہ تمہیں ہمسائگی کا بھی پاس نہیں رہا ؞

دو تین صدی تک حضرت بی بی خدیجۃ الکبریٰ کے مکان کے پاس ایک حجرہ پتھر کا ایسا بنا ہوا دکھائی دیتا تھا جہاں ہمسایوں کی زیادتی اور حملوں سے حضور انور آکے پناہ لیتے تھے (طبری صفحہ ۶۷)

اس کے علاوہ ایک روایت میں یہ ہے اگرچہ اس کی سند ضعیف ہے کہ ایک دن قریشیوں نے جب آپ کعبہ میں آرہے تھے آپ پر حملہ کیا اور آپ کو لپٹ گئے اور آپ کی دستار مبارک پر ہاتھ ڈالا - لیکن حضرت ابوبکر صدیق دلیری سے پاس آکر للکارے - افسوس ہے تم لوگوں پر کیا تم ایسے

شخص کو قتل کرنا چاہتے ہو جو یہ کہتا ہے کہ خداوند تعالےٰ میرا مالک ہے۔ یہ ایسا پُر اثر نعرہ تھا کہ قریش حضور انور کو چھوڑ کے چلدیئے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ حضرت صدیق اکبر سے خوب لڑائی ہوئی اور آپ کی ریش مبارک کی مشرکین سے سخت توہین کی اور آپ کو لہولہان کر دیا۔ ام کلثوم نے آپ کے سر پر لکڑی کا ایک گہرا زخم دیکھا جس سے خون بہ رہا تھا (ہشامی صفحہ ۷۰۔ طبری صفحہ ۱۲۱)۔ چھٹے سال نبوت حضرت امیر حمزہ آپ کے چچا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہو جانے سے مسلمانوں میں جان پڑ گئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے متعلق ہم اپنی سیرت کے گذشتہ صفحوں میں لکھ چکے ہیں مگر یہاں حضرت امیر حمزہ کے اسلام لانے کے متعلق مختصر طور پر لکھا جاتا ہے۔

حضرت امیر حمزہ کا مسلمان ہونا

سید الشہداء، حمزہ بن عبدالمطلب کے ایمان لانے کی کیفیت راویوں نے متفق اللفظ یہ بیان کی ہے کہ ایک دن حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نواحی کوہ صفا میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ابو جہل کا اس طرف گذر ہوا اس بدنصیب کے دل میں چونکہ شافع روز محشر کی طرف سے عداوت بھری ہوئی تھی اس لئے اس نے خواہ مخواہ گالیاں دینی شروع کیں مگر حضور انور نے اس کے سب و شتم پر مطلق توجہ نہ فرمائی اور آپ نہایت صبر سے اس کی گالیاں سنتے رہے۔ یہ ساری کیفیت عبداللہ بن جدعان کی لونڈی کوہ صفا پر سے دیکھ رہی تھی۔ جب حضرت امیر حمزہ شکار سے واپس آئے (اور آپ کی یہ عادت تھی کہ شکار زیادہ کھیلا کرتے تھے اور شکار سے واپس آکے طواف کعبہ کیا کرتے تھے) کعبہ میں آئے تو جاریہ مذکورہ نے آپ سے یہ سرگذشت بیان کی۔ یہ سُن کے حضرت امیر حمزہ کو بہت غصہ آیا اور آپ سیدھے ابو جہل کی طرف روانہ ہوئے اور بآواز بلند کہا کہ مجھ پر کھانا پینا حرام ہے جب تک میں ابو جہل سے اس کی تعدی اور بدزبانی کا انتقام نہ لوں۔ مگر آپ پہلے حضرت خاتم النبیین کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا اے محمد تمہارا چچا آیا ہے تاکہ تمہارے دشمن سے اس کے مظالم کا بدلہ لے حضور انور نے ارشاد کیا ایسے شخص سے کیوں سروکار رکھتے ہو جس کا نہ کوئی چچا ہے۔ نہ باپ نہ ماں۔ نہ معاون نہ نصیر نہ کارگذار نہ وزیر۔ امیر امیر حمزہ نے لات و عزےٰ کی قسم کھا کے کہا میں تو صرف آپکی نصرت و معاونت کے لئے آیا ہوں۔ حضور انور نے جواب دیا کہ اے چچا جان حمزہ اگر تم کا فرزند کو اسقدر

قتل کرو کہ گھٹنوں گھٹنوں خون ہو جائے پھر بھی حضرت احدیت سے دوری رہے گی جب تک تم دل اور زبان سے یہ نہ کہو اشھد ان لا الہ الا اللہ و اشھد ان محمد رسول اللہ۔ یہ سن کے حضرت امیر حمزہ ایسے متاثر ہوئے کہ انہوں نے کلمہ طیبہ پڑھا اور وہاں سے مجمع قریش میں روانہ ہوئے۔ ابوجہل بھی وہاں بیٹھا ہوا تھا آپ غصہ سے اس پر جھپٹے اور ایسا حملہ کیا کہ سات جگہ سے اس کا سر پاش پاش ہو گیا اور علانیہ کہا کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں۔ بعض روایتوں میں یہ لکھا ہے کہ اول ابوجہل کا سر توڑا اور پھر حضور انور کی خدمت میں آ کے مشرف باسلام ہوئے۔

(ہشامی صفحہ ۷۰۔ طبری صفحہ ۱۲۵۔ کاتب الواقدی صفحہ ۱۷۹)

حضرت امیر حمزہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے حضور انور اور جملہ مسلمین بہت خوش ہوئے۔ ان دونوں صحابہ میں جسمانی قوت کے ساتھ حد درجہ دلیری اور قوت تھی اور انکا اثر ان کی بہادری اور جگری کی وجہ سے مکہ میں بہت تھا۔ حضرت حمزہ نے مسلمان ہو کے وہ وہ شجاعت دکھائی کہ اسلامی مورخ یک زبان ہو کر آپ کو شیر خدا کا لقب دیتے ہیں حضرت عمر ایسے بچھیتارے جوان تھے کہ جب آپ بھیڑ میں چلتے یا کھڑے ہوتے تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ آپ گھوڑے پر سوار ہیں۔ کیونکہ آپ کی گردن کل آدمیوں سے نکلی رہتی تھی۔ نہایت مضبوط ہاتھ پیر کے اور خوشرو جوان تھے۔ آپ کی رنگت سرخ و سفید تھی آپ ابتدا میں بہت تیز مزاج اور غصیلے تھے لیکن قرآن مجید کا کوئی جملہ سُن کے آناً فاناً میں آپ کا غصہ فرو ہو جاتا تھا۔ جب آپ مشرف باسلام ہوئے ہیں تو آپ کی عمر صرف ۲۶ سال کی تھی آپ جنگ الفجار سے چار سال پہلے پیدا ہوئے تھے اور حضور انور کی نبوت کے چھٹے سال بماہ ذوالحجہ آپ مسلمان ہوئے۔ کل مورخ یک زبان ہیں کہ اشاعت اسلام آپ ہی کے مسلمان ہونے سے شروع ہوئی اور اسلام کا وعظ علے الاعلان ہونے لگا۔ دنیا میں اسلام پھیلانے کے آپ ہی بہت بڑے موید ہیں اس وقت دنیا کی جو ⅓ آبادی میں اسلام پھیلا ہوا ہے یہ سب آپ ہی کا صدقہ ہے ✣

آپ کے مسلمان ہونے کے بعد حضور انور نے ارقم کے مکان کو چھوڑ دیا۔ ابھی تک مسلمان چھُپ چھُپ کے اپنے گھروں میں نماز پڑھا کرتے تھے مگر فاروق اعظم کے مسلمان ہوتے ہی جماعت کے ساتھ کعبہ میں اور کعبہ کے باہر دھڑاکے سے نمازیں ہونے لگیں (کاتب الواقدی صفحہ ۲۲۲۔ ہشامی صفحات ۱۰۸ و ۱۰۹)

اس سے قریشوں میں مزید بے چینی پیدا ہو گئی اور اس کے غصہ کی آگ اور زیادہ بھڑکنی شروع ہوئی
ان کا غصہ بھی ضرور بنیاد رکھتا تھا اول تو سفارت حبش کی ناکامی نے انہیں جلا کے خاک کر دیا تھا
ان کا ہزار ہا روپیہ کا مال جو بطور تحفہ شاہ حبش کو بھیجا گیا تھا وہ بالکل بیکار رہا۔ دوسرے مسلمانوں کی
آؤ بھگت جو انہوں نے نجاشی کے دربار میں دیکھی اس سے اور بھی ان کا دل ٹوٹ گیا۔ انہیں یہ
بھی خوف ہوا کہ اگر نجاشی نے فوج سے مسلمانوں کی مدد کی اور مکہ پر قبضہ کر لیا تو لات و عزیٰ کی
کیا گت بنے گی۔ دوسرے انہیں یہ دہشت تھی کہ آج تو مسلمانوں کا گروہ بہت کمزور ہے اور چونکہ
روز بروز یہ بڑھتا جاتا ہے اور با اثر شہری مسلمان ہوتے جاتے ہیں۔ قوت پکڑنے پر یہ کہیں ہم
پر خود تسلط نہ کر بیٹھیں آخر ان باتوں سے دہشت کھا کے انہوں نے پہلی ترکیب تو یہ کی کہ تمام تر فی
تعلقات مسلمانوں سے قطع کر لئے لین دین شادی بیاہ آمد و رفت سب چھوڑ دی۔ ابو طالب
مع اپنے بھائیوں کے ابھی تک برابر حضور انور (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا ساتھ دیتے چلے جاتے تھے
(صرف ابولہب علیحدہ تھا) نہ صرف بھائی بلکہ ہاشم کے خاندان کا بچہ بچہ خواہ وہ مسلمان ہو یا نہ ہو
کچھ نہ کچھ تائید حضور رسالت پناہی کی ضرور کرتا رہتا تھا۔ اب بنی ہاشم تو ایک طرف تھے اور باقی
عربی قبائل ایک طرف (اس صورت سے تمدنی کشمکش دونوں میں پیدا ہوئی۔ آخر ایک دن سوائے
بنی ہاشم کے کل قریش کعبہ میں جمع ہوئے۔ ایک طوفان خیز جلسہ میں یہ تجویزیں منظور کی گئیں "کہ نہ ہم
بنی ہاشم کی لڑکیوں کو بیاہیں اور نہ اپنی لڑکیاں انہیں دیں نہ ان کے ہاتھ چیز فروخت کریں اور
نہ ان سے خریدیں۔ غرض ہر قسم کا لین دین اور آمد و رفت ان سے مطلقاً بند کر دینی چاہیئے" یہ
پاس شدہ تجویزیں لکھ لی گئیں اور سب کی اس پر مہریں ہو گئیں۔ پھر وہ نوشتہ کعبہ کے دروازہ
پر لٹکا یا گیا اور اس طرح ان قبائل کے عہدنامہ کی تعمیل ہوئی +

یہ سن کے حضرت ابوطالب نے بھی کل بنی ہاشم کو اپنے گھر میں مدعو کیا اور ان سے خطاب کر کے کہا
کہ تمہارے بھائی محمد کے خلاف کل قریشیوں نے اتفاق کر لیا ہے اب تم کیا کہتے ہو انہوں نے کہا ہم
بدل و جان محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ ہیں اس پر ابوطالب نے خاندان بنی ہاشم کی تعریف
میں ایک قصیدہ پڑھا جو ابن اسحاق نے اپنی کتاب میں درج کیا ہے قصیدہ کا مختصر مضمون حضور انور
کی شرافت نسبی اور حسبی اور عادات و اطوار کے بیان میں ہے اور ساتھ ہی خاندان کے متعلق کچھ ذکر ہے

خدا کی شان دیکھئے جس شخص نے قبایل قریش کا عہد نامہ لکھا تھا کہ بنی ہاشم کے ساتھ داد وستد بند کردو اور اسی نے اس عہد نامہ کو کعبہ کے دروازہ پر آویزاں کیا تھا اس کا ہاتھ خشک ہو گیا ہشامی نے اس واقعہ کو قلمبند کیا ہے مگر واقدی لٹکانے سے انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ عہد نامہ ہوا اور اس پر مہریں کی گئیں۔ مگر کعبہ کے دروازہ پر نہیں لٹکایا گیا بلکہ ابوجہل کی حفاظت میں رکھا گیا۔ یہ کچھ بڑا اختلاف نہیں ہے مگر تو بھی واقدی کی روایت کے متعلق کلام ہے کیونکہ اہل مکہ میں یہ دستور تھا کہ ہر ایک ایسی چیز کو جو دوسرے کے مقابلہ میں ہوتی تھی اور جس کا اشتہار دینا مقصود ہوتا تھا کعبہ کے دروازے پر لٹکا دیا کرتے تھے جیسا کہ بعض قصاید کے آویزاں کرنے سے پایا جاتا ہے اس لئے واقدی کی روایت زیادہ قابل وثوق نہیں معلوم ہوتی ✤

بنی ہاشم کی سراسیمگی

لاکھ کچھ بنی ہاشم نے قبایل قریش کے مقابل میں اتحاد قایم کر لیا لیکن پھر بھی وہ سخت خائف تھے۔ کیونکہ ان کی تعداد بہت کم تھی اور انہیں خوف تھا کہ مبادا کل حجاز ان کے خلاف جنگ کے لئے اُٹھ کھڑا ہوا۔ کل تعلقات کے قطع ہو جانے سے دشمنی اور بھی بڑھ گئی تھی اور بنی ہاشم کو ہر وقت حملہ کا خوف رہنے لگا تھا۔ آخر سب نے متفق ہو کے شعب ابو طالب میں جا کے پناہ لی۔ اس مقام کے چاروں طرف پہاڑ تھے۔ اور مکہ کی مشرق کی جانب واقع تھا۔ یہاں سے شہر میں جانیکا راستہ ایسا تنگ تھا کہ ایک اونٹ بہ مشکل نکل سکتا تھا۔

نبوت کے ساتویں سال کے پہلے مہینہ اور پہلی شب میں بنی ہاشم حضور انور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ابو طالب کی گھاٹی میں پناہ گزین ہوئے۔ اسوقت عبدالمطلب کے خاندان کے کل لوگ ان کے ہمراہ تھے صرف ابو لہب باقی رہ گیا تھا جو فریق مخالف کے ساتھ رہا۔ اور بنی ہاشم کے ساتھ گھاٹی میں نہیں آیا۔ اب تفریق کے معاہدہ پر بہت شدت سے عملدرآمد ہونے لگا۔ بنی ہاشم کے ہاتھ غلہ اور زندگی کی دوسری چیزیں فروخت ہونی فوراً بند کر دی گئیں ✤

ان میں اتنی قوت نہ تھی کہ اپنا علیحدہ ایک کاروان بھیج کے دوسری جگہ سے چیزیں خرید واتے اس کے علاوہ قریشیوں نے یہ ظلم کر رکھا تھا کہ باہر سے جو تاجر آتے تھے اُنہیں منع کر دیتے تھے کہ ان کے ہاتھ کوئی چیز فروخت نہ کرنا اور اگر بیچو بھی تو تگنی چوگنی قیمت پر فروخت کرنا جسے وہ نہ لے سکیں

شعب میں سے ایک بچہ بھی باہر نہیں نکلتا تھا ہاں حج کے دنوں میں جبکہ کوئی جھگڑا فساد نہ ہوتا تھا یہ لوگ باہر نکلتے تھے اور حضور انور معہ اپنے صحابہ کے آزادی کے ساتھ ادھر ادھر تشریف لیجاتے تھے۔ دو تین سال تک یہی کیفیت رہی اور فریقین کی حالت میں کوئی تبدیلی نہیں پیدا ہوئی۔ آخر ہوتے ہوتے بنی ہاشم کی حالت سخت زبوں ہوگئی۔ چھوٹے چھوٹے بچوں کے چیخنے اور رونے کی آوازیں گھاٹی میں سے سنائی دینے لگیں جو بھوک سے اپنی ماؤں کی گودیوں میں تڑپ تڑپ کے بلبلا رہے تھے۔ جب یہاں تک نوبت پہونچی تو عربوں کے سنگین دل بھی پسیجے اور آنکھوں میں آنسو بھر لائے کہ ان بیچارے بچوں نے کیا قصور کیا جو ان پر اتنی سختی کی جاتی ہے جب یہ کیفیت ہوئی تو چند قریشوں نے چوری چھپے ان مصیبت زدہ پناہ گیروں کے لئے شعب ابوطالب میں کھانا وغیرہ پہونچانا شروع کیا۔ اور ہشام بن عمرو نے تو کمال کیا کہ غلہ کا ایک اونٹ بھرا ہوا گھاٹی کے اندر پہونچا دیا۔ اسی طرح حاکم خویلد کے پوتے نے بہت کچھ سامان بی بی خدیجۃ الکبریٰ کے لئے وقتاً فوقتاً روانہ کیا۔

ایک دن کا ذکر ہے کہ حاکم ایک بوری غلہ کی غلام کے سر پر رکھے ہوئے شعب ابوطالب کی طرف جا رہا تھا کہ ابوجہل راستہ میں ملا۔ اور پوچھا یہ غلہ کہاں لے جاتے ہو حاکم کچھ پس و پیش کرنے لگا اس پر ابوجہل نے غضبناک ہو کر کہا یا در کھنا اگر تم نے ایسی حرکت کی تو مکہ میں ہزار آدمیوں کے سامنے بے عزت کر دوں گا۔ اتنے میں ابوبختری آگئے اور انہوں بمشکل ابوجہل کو ٹھنڈا کیا اور کہا کہ تو نہیں سمجھتا کہ حاکم اور خدیجہ میں کیا رشتہ ہے قدرتی طور پر اس کا فرض ہے کہ یہ خدیجہ کی مدد کرے کچھ دیر ابوجہل خاموش رہا مگر جب حاکم چلنے لگا تو اسے پھر جذبہ آگیا وہ حاکم پر دوڑ پڑا دونوں کی چھینا جھپٹی ہونے لگی۔ آخر گھونسے اور لاتیں مار کر ابوجہل کو بھگا دیا۔ اور آپ سامان لے کے چلتا بنا۔ (ہشامی صفحہ ۱۰۹)

اس پناہ گزینی کے زمانہ میں اشاعت اسلام کچھ بھی نہیں ہوئی اور ہو کیونکر سکتی جب کہ باہر نکلنا اور وعظ و پند سب بند ہو چکی تھی۔ ہاں یہ حضور انور ضرور کیا کرتے کہ جو لوگ وہاں موجود تھے اُن کے آگے روزمرہ وعظ فرما دیا کرتے تھے وہ پاک اور بے لوث نفس اس سختی میں بھی خدا کے کام میں ہمہ تن مصروف تھا اور کوئی لمحہ یاد خدا سے غافل نہ تھا۔ یہ سخت آزمائش کا وقت تھا۔

اور ایسا وقت تھا کہ خیال کرنے سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں معصوم بچوں کا بھوک کے مارے تڑپنا۔ بیکس عورتوں کا سخت مایوسی کے عالم میں اپنے بے پناہ اور مجبور شوہروں اور بھائیوں پر نظر ڈالنا ایک قہر آلود نقشہ تھا جو آنکھوں کے آگے کھچ رہا تھا۔ اس پر بھی آپ کا ثابت قدم رہنا اور اپنا فرض نبوت ادا کرتے رہنا ایک عجیب معاملہ ہے جس کی تہ تک روحانی مبصر پہونچ سکتے ہیں *

ہاں زمانہ حج میں تلقین نبوت کرنے کے لئے حضور انور کے آگے میدان کھل جاتا تھا۔ قومی لڑائیاں اور جھگڑے سب بند ہو جاتے تھے دوست دشمن سب ایک ہو جاتے تھے اور کسی شخص میں کسی مخالفت کرنے کا یارا نہ ہوتا تھا۔ اس وقت آپ آزادی سے باہر نکلتے اور خوب وعظ فرماتے۔ نئے قبایل مکہ میں آتے تھے آپ انہیں آزادی سے خدا کا کلام سناتے تھے۔ مگر ابو جہل۔ نضر بن الحارث عاص بن وایل۔ عقبہ بن ابی معیط اور اسی طرح اور لوگ ساتھ ساتھ لگے رہتے تھے اور کہتے پھرتے تھے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بہکانے میں نہ آنا۔ ابو طالب ہر وقت اپنی شعب کی نگرانی میں مصروف رہتے تھے اور انہیں خوف تھا مبادا کسی وقت قریش اندر آکے حملہ نہ کر دیں آپ یہ بھی کرتے تھے کہ جس جگہ حضور انور آرام فرماتے تھے برہنہ تلوار سے شب کو پہرہ دیتے تھے کہ کوئی مشرک اندر آکے حملہ نہ کر بیٹھے *

جب پانی سر سے گذر گیا اور مصیبت انتہا پر پہونچ گئی تو ہشام بن عمرو بن الحارث جس کا باپ اپنی ماں کی طرف سے فضل بن ہاشم بن عبد مناف تھا زہیر بن امیۃ مخزومی کے پاس گیا اور کہا انسانیت کا یہی تقاضا ہے کہ تو تو لذیذ لذیذ کھانے کھائے اور خوشگوار ٹھنڈا پانی پیئے اور عیش سے اپنی زندگی بسر کرے اور تیرے بھائی بند فاقوں کی تکلیف سے تڑپیں اور دن رات آہ وزاری میں گذار دیں۔ سچ ہے تجھے تو یہ ہرگز شایاں نہیں ہے۔ زہیر نے جواب دیا میں تنہا عہد نامہ کے خلاف کچھ نہیں کر سکتا ہاں دو شخص اور بھی میرے ساتھ ہو جائیں تو میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس عہد نامہ کو جو قریش میں ہوا ہے توڑ ڈالوں گا ہشام نے کہا ایک شخص تو موجود ہے زہیر نے کہا وہ کہاں ہے ہشام نے اپنی طرف اشارہ کیا زہیر نے کہا اچھا۔ تیسرے شخص کو اور تلاش کر۔ یہ سنکے ہشام مطعم بن عبدی بن نوفل بن عبد مناف کے پاس آیا اور اس سے کہا کہ تو اس بات سے راضی ہے کہ دو بطن

بنی عبد مناف میں سے تو فاقہ کشی میں ہلاک ہوں اور تو آنکھوں سے دیکھے اور پھر ان کی مخالفت میں قریشوں کے ساتھ موافقت سے کئے جائے۔ مطعم نے جواب دیا کہ میں تنہا کیا کر سکتا ہوں ہشام نے کہا گھبراتا کیوں ہے میں اس کام میں تیرے ساتھ ہوں۔ مطعم نے کہا ایک اور شخص کی بھی ضرورت ہے ہشام والا زبیر کو بھی اپنے ساتھ سمجھ۔ مطعم نے پھر یہ کہا کہ چوتھا آدمی اور بھی ہونا چاہیئے۔ یہ سنتے ہی ہشام ابوالبختری کے پاس آیا اور اسی طرح کے غیرت دلانے والے کلمے اس سے کہے۔ ابوالبختری نے دریافت کیا تیرا ہمزبان کون کون ہے۔ ہشام نے ان کے نام گنوا دیئے۔ اس پر اس نے کہا اور کوئی بھی اگر ہمارا شریک ہو جائے تو بہتر ہے۔ ہشام پھر ربیعہ بن اسود بن مطلب بن عبد العزیٰ کے پاس گیا اور اسی قسم کی باتیں کیں۔ ربیعہ نے بھی یہی دریافت کیا کہ اور کوئی بھی ہمارے ساتھ اس معاملہ میں موافق ہے۔ ہشام نے سب کے نام بتا دیئے۔ آخر یہ مشورہ ٹھیرا کہ شب کو سب ایک جگہ جمع ہوں اور نقض عہد کے لئے پیمان کریں۔ یہ باتیں کر کے ہشام چلے آئے۔ شب کو پانچوں آدمی جمع ہوئے۔ بہت گفتگو کے بعد یہ طے پایا کہ سلطے العقباح وثیقہ قاطع کو قطع کر دینا چاہیئے زبیر نے کہا کہ قطع کرنے کی ترکیب یہ بہتر ہوگی کہ میں صبح کو مجلس قریش میں یہ ذکر چھیڑوں گا۔ اور پھر تم سب میری مدد کرنا اور فوراً تائید شروع کر دینا۔ یہ مشورہ کر کے سب اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے گئے۔

سلطے العقباح طواف کعبہ سے فارغ ہونے کے بعد زبیر نے قریشوں سے کہا اے اہل مکہ کیا یہ مناسب ہے کہ ہم فارغ البال زندگی بسر کریں۔ لذیذ کھانے کھائیں۔ اچھے اچھے کپڑے پہنیں اور عشرت کے قدح اڑائیں اور ہمارے رشتہ دار بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب اپنے بال بچوں کے ساتھ عسرت و ملال سے زندگانی گذرائیں اور گرسنگی کی شدت سے ہلاک ہوئے چلے جائیں۔ خدا کی قسم ہم نچنت ہو کے نہیں بیٹھیں گے۔ جب تک اس صحیفہ قاطعہ ظالمہ کے ٹکڑے ٹکڑے نہ اڑا دیں گے۔ زبیر یہ کہہ رہا تھا کہ مسجد الحرام کے گوشہ میں سے ابوجہل کڑک کے بولا تو جھوٹا ہے اور صحیفہ کو پارہ پارہ نہیں کر سکتا۔ یہ سنتے ہی ربیعہ بن الاسود بولا واللہ تو سب سے زیادہ جھوٹا ہے ہم تو اس صحیفہ کی تحریر کے وقت اس کے مضمون سے راضی نہیں تھے پھر ابوالبختری نے کہا خدا کی قسم کہ ربیعہ نے بالکل سچ کہا اس لئے کہ جو کچھ صحیفہ میں لکھا گیا ہے ہماری مرضی کے بالکل خلاف ہے اس پر مطعم بن عدی نے

یہ سُن کے وہ ہنسے اور خاموش ہو رہے ÷

حضور انور (صلی اللہ علیہ وسلم) کچھ آرام لینے کے بعد وہاں سے آگے بڑھے اور نخلہ میں پہونچے یہاں سے مکہ کی مسافت صرف ایک شب کی رہجاتی ہے۔ آپ نے اس آبادی میں قیام کیا۔ شب کو حضور انور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نماز میں آواز سے قرآن مجید پڑھ رہے تھے کہ سات نفر جن نصیبین کا اس طرف گذر ہوا۔ اُنھوں نے حضور انور کی آواز سُنی ٹھیر گئے اور غور سے سنتے رہے۔ جب حضور انور نماز پڑھ چکے تو وہ خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور بطیب خاطر مشرف باسلام ہوے۔ حضور انور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد کیا کہ جب تم اپنی قوم میں جاؤ تو اُسے بھی اس ملت بیضا کی دعوت دینا۔ یہ سُن کے وہ چلے گئے اور اُنھوں نے اپنی قوم کے بہت سے افراد کو مسلمان بنایا۔ قرآن مجید میں بھی اس واقعہ کا ذکر ہے ÷

حضور انور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نخلہ میں چند روز رہنے کے بعد مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ لیکن محض اس خیال سے کہ مکہ میں جانے سے پھر قریش ستائیں گے۔ آپ شمالی راستہ سے نکل کوہ حرا پر مقیم ہوئے جو حضور انور کا قدیم مسکن تھا۔ قریشیوں کو خبر ہوگئی تھی کہ طایف نے بھی ہمارے ساتھ کلام خدا سننے سے انکار کر دیا ہے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو پتھروں کی بوچھاڑ کر کے نکالا ہے۔ اُنھوں نے بھی یہ ارادہ کر لیا تھا کہ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مکہ میں آئیں تو ہم بھی یہی سلوک کریں گے ÷

اور آپ نے ایک شخص کو اخنس بن شریق کے پاس بھیجا کہ میں یہاں آگیا ہوں مجھے امید ہے کہ تو مجھے اپنی حفاظت میں لے گا اور اگر میں کعبہ میں آؤں تو تو میری نگرانی کرے گا اخنس نے انکار کر دیا اور شافع روز محشر کی حفاظت سے روگردانی کی۔ وہ شخص مایوس ہو کے چلا آیا اور حضور انور کی خدمت میں عرض کر دیا۔ آپ نے اُسی شخص کو پھر سہیل بن عمرو مطعم کے پاس بھیجا۔ مطعم نے حضور کی حفاظت کی حامی بھر لی اور کہلا بھیجا حضور شوق سے تشریف لائیں میں ہر طرح حضور کی مدد کرنے کو موجود ہوں۔ دوسرے دن مطعم ہتیار بند ایک اونٹ پر سوار ہو کے اور اپنے خویش واقارب ہمراہ لے کے مسجد الحرام میں آئے اور بآواز بلند یہ کہا۔ اے قریشیوں میں نے

محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اپنی حفاظت میں لے لیا ہے تمہیں آگاہ کر دیا جاتا ہے کہ تم میں سے کوئی شخص آپ کی طرف آنکھ بھر کے نہ دیکھے" ابوجہل یہ سُن کے بحت سراسیمہ ہوا اور گھبرا کے بولا "تابعی یا مجیر" مطعم نے کہا ہاں میں مجیر ہوں۔ ابوجہل بولا جس شخص کو تو نے امان دی ہے ہم بھی اُسے امان دیتے ہیں۔ اس کے بعد حضور انور مکہ میں تشریف لائے۔ کعبہ میں آکے طواف کیا اور حجر اسود کو بوسہ دیا۔ دو رکعت نماز پڑھی اور پھر منزل ہمایوں میں آپ تشریف لے آئے +

مطعم کی اس فیاضی اور ایمانداری پر مدینہ کے مشہور شاعر نے یہ برجستہ اشعار کہے جو برابر معتبر تاریخوں میں نقل ہوتے چلے آئے ہیں +

ا لا عینی ابکی سید الناس واسفحی	وان انت قد انزفتہ فاسکبی الدما
اے میری آنکھ آدمیوں کے سردار کو رو اور خوب آنسو بہا	اور اگر تو زرو رو کے آنسوؤں کو خشک کر چکی ہو تو بجائے آنسو کے خون
فلو کان مجد یخلد الدھر واحدا	من الناس ابقی مجدہ الیوم مطعما
پس اگر عزت وجاہ کسی شخص کو (اسکی عمر طبعی سے زیادہ) کچھ زمانہ تک باقی رکھ سکتا + تو آج مطعم کو اُس کی عزت ضرور باقی رکھتی۔	
اجرت رسول اللہ منھم فاصبحوا	عبیدک مالبی مھل واحرما
تو نے (اے مطعم) رسول خدا کی مشرکوں سے حفاظت کی	لہذا جب تک حاجی لبیک لگاتے ہیں اور احرام باندھتے ہیں وہ سب تیرے

اسی زمانہ میں حضور انور نے بی بی سودہؓ سے نکاح کیا آپ بیوہ تھیں اور آپ کا شوہر محض اس

اپؓ کے والد کا نام زمعہ اور ماں کا نام شموس بنت قیس تھا۔ آپ کا پہلا نکاح سکران بن عمر سے ہوا تھا اور اس سے ایک لڑکا عبدالرحمٰن پیدا ہوا۔ حضرت سودؓا اور اُن کا لڑکا عبدالرحمٰن دونوں مسلمان ہو گئے تھے آپ کی مختصر کیفیت یہ ہے کہ آپ اور آپ کا خاوند اور آپ کا بیٹا مسلمان ہو گیا تو مشرکین عرب نے آپ پر زیادتیاں کرنی اور آپ کو ستانا شروع کیا۔ اور آخر یہاں تک نوبت پہونچی کہ آپ حبش چلی گئیں۔ آپ کا خاوند صرف اس جرم میں کہ وہ مسلمان ہو گیا تھا قتل کر دیا گیا تھا۔ جب بی بی سودا حبش سے واپس آئیں تو اُن کی حالت بہت ہی خراب تھی۔ ان پر بڑے بڑے مظالم ہو چکے تھے۔ اور اب اُنہیں کوئی پناہ دینے والا بھی نہ رہا تھا۔ روایتوں سے اگرچہ اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ آپ کی عمر کتنی تھی مگر

حرم میں کہ مسلمان ہو گیا تھا دشمنان خدا کے ہاتھوں شہید ہو چکا تھا۔ سوائے حضور انور کے

اور ٹھیک اندازہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ عمر میں آنحضرت سے بڑی تھیں۔ حضور انور کی عمر جب بی بی سودا سے نکاح کیا ہے پوری پچاس برس کی تھی اور بعد از وفات سرور کائنات ۲۳ھ ہجری میں بی بی سودا کی وفات ہوئی اور وفات کے وقت آپ کی عمر ۸۰ سے بھی تجاوز کر چکی تھی۔

آپ کی نسبت بہت سی مختلف روایتیں مشہور ہیں۔ اور بعض غلط روایتوں کی وجہ سے عام طور پر بہت کچھ دھوکا ہوا ہے۔ مگر ہم اسے بالکل روشنی میں لانا چاہتے ہیں۔ اور انشاء اللہ ہم اس نکاح پر ایک بسیط بحث کرینگے اول تو یہ دیکھنا ضرور ہے کہ حضرت بی بی سودا سے نکاح کرنے کی آنحضرت کو ضرورت ہی کیا تھی جب آپ قریش کی اعلےٰ درجہ کی لڑکیوں سے بلا تکلف نکاح کر سکتے تھے۔ پچاس سال آپ کی عمر ہو چکی تھی۔ اور بی بی سودا کی بھی اتنی عمر تھی یا آپ سے ایک دو برس کچھ بڑی تھی۔ اگر معاذ اللہ یہ نکاح لذ آئذ نفسانیہ کے لئے ہوا تھا تو ایسا خیال کرنا محض بے بنیاد ہے اور نرا تعصب ہے۔ نہ آپ نے دولت کو دیکھ کے نکاح کیا تھا کیونکہ بی بی سودا آپ مفلس اور ستم رسیدہ تھیں۔ نکاح کرنے کی کوئی غایت ضرور ہوگی اور کوشش کرنے سے اُس کا پتہ لگ جائے گا +

حضور انور کا ابتدا سے یہ قاعدہ تھا کہ آپ دوسروں کا کام خود کر دیتے تھے مگر آپ کو کسی کا احسان لینا گوارا نہ تھا۔ حضرت انس کی روایت اس بات کا ثبوت ہے کہ دس برس میں میں نے رسول مقبول کی اتنی خدمت نہیں کی جتنی آپ نے میری کی۔ آپ کی عادت میں داخل تھا کہ ہر شخص کے کام میں لگ جانا اور غربا اور مساکین کی حتی الامکان سرپرستی کرنا آپ نے اپنی اس رحیم فطرت سے بی بی سودا پر نظر کی اور فرمایا کہ اس عورت نے ہو کے میرے لئے کتنی کتنی سختیاں سہیں۔ گھر سے بے گھر ہوئی جائداد منقولہ اور غیر منقولہ جو کچھ اور جتنی تھی صرف میری وجہ سے برباد ہوئی۔ اس کا خاوند صرف قبول اسلام کی وجہ سے بہت ہی بے دردی سے ذبح کر ڈالا گیا اور اب یہ محض بے سروسامان اور پریشان ہو کے میرے پاس آئی ہے ایسی حالت میں بھی میں اُسے اپنا ہاتھ نہ دوں تو نبوت کے عالی منشاء کے خلاف ہے یہ خیال تھا جو حضور انور کے مبارک دل میں پیدا ہوا تھا اور اسی وجہ سے آپ نے صرف اس لئے کہ سودا کے تمام نقصانات اور تکالیف کا اچھا معاوضہ ہو جائے گا۔ بخوشی نکاح کر لیا۔ اور خاتم النبیین جیسے رحم مجسم کے لئے ایسے نکاح کی ضرورت بھی تھی۔ آپ کا بحیثیت نبی اور وہ بھی

اور کوئی آپ کا وارث نہ تھا۔ اس لئے انسانی ہمدردی کا تقاضا یہ تھا کہ آپ اس بیوہ کو

جلیل القدر نبی ہونے کے فرض تھا کہ آپ ایسی بے بس۔ ناچار اور مصیبت زدہ خاتون کی سرپرستی فرمائیں۔ جس نے محض خلوص سے اپنی گذشتہ بداعمالیوں اور بت پرستی سے تائب ہو کے دین خدا اختیار کیا اور حضور انور کے دست مبارک پر بیعت کی۔ اور پھر محض اسلام کے لئے اُس نے تکلیفیں اٹھائیں جلاوطن ہوئی اور عورت ہو کے اسلام سے اُس کا قدم نہیں ڈگمگایا۔ عاقبت میں تو جو کچھ اس کا معاوضہ ملتا وہ ملتا ہی۔ لیکن زندگی میں بھی ایسی تجلی اور نیک دل خاتون کو ضرور صلہ ملنا چاہیئے تھا اور وہ صلہ ایسا ہوتا کہ اس سے بہتر صلہ دنیا میں اور ممکن نہ تھا یعنے وہ خاتم النبیین کی بی بی بنی اور ام المومنین کا معزز لقب پاتی۔ اس سے بہتر کوئی صلہ نہیں دے سکتے تھے۔ کیونکہ جو کچھ بے نظیر مردانگی اسلام پر قایم رہنے کی اس خاتون نے دکھائی تھی وہ عجیب وغریب ہے۔ اور اسی مرتبہ کے صلہ کی مستحق بناتی ہے جو حضور انور کی طرف سے اُسے عطا ہوا ۔

اگر حضور انور اپنی زوجیت میں بی بی سودا کو قبول نہ فرماتے تو اُن کی عمر اور بے سروسامانی اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ کوئی ہاتھ نہیں رکھتا اس لئے کہ اول تو وہ پریشانی کا زمانہ تھا مشرکین قریش کے پے درپے حملے ہو رہے تھے۔ اور مسلمان برابر ستائے جا رہے تھے ابھی مسلمانوں کو کچھ قوت اور اطمینان بھی حاصل نہوا تھا اور نہ کوئی مستقل جائے قیام کسی مسلمان کی ہوئی تھی۔ یہ وقت مسلمانوں کی سخت آزمایش کا تھا اور اسی وجہ خود نبی کریم کو بھی نکاح کرنے کا خیال نہ تھا اور نہ ابھی تک کوئی فطری ضرورت داعی ہوئی تھی۔ مگر اس حالت میں بھی اور اس زمانہ ستیز میں بھی آپ نے بحیثیت نبی ہونے کے اپنا فرض سمجھا کہ سودا جیسی مصیبت زدہ القلب بے بس اور ثابت قدم خاتون کو اپنی زوجیت میں لیں تاکہ اس کی پورے طور پر سرپرستی ہو اور مسلمانوں میں ایسی بے پناہ مستورات کی معاونت کرنے کی ایک زبردست نظیر قایم ہو جائے۔ آپ نے بی بی سودا سے نکاح کر کے نفس نکاح کی ایک غایت بتا دی اور ظاہر فرما دیا کہ نکاح کی اصلی غرض مستورات کی سرپرستی ہے اور سب بڑی بات جو اس نکاح میں پیدا ہوئی ہو وہ یہ ہے کہ اسلام میں عورتوں کی حمایت کرنے کی روح پھیل جائے اور وہ مثل دوسری قوموں کے عورتوں کو لاشئے محض نہ سمجھیں۔ ہم مقدمہ تفسیر الفرقان میں بیان کر چکے ہیں کہ عرب ہی نہیں۔ بلکہ دنیا کی کل قوموں میں عورت مثل آثاث البیت کے سمجھی جاتی تھی۔ اور دنیا کی بڑی بڑی متمدن اقوام سے بھ

اپنے نکاح میں قبول فرمائیں۔ بی بی سودا خاندان قریش میں سے تھیں۔ لیکن حضور انور سے

عمر
کبھی عورتوں کے حقوق کی نگہداشت نہیں کی۔ اور نہ اُن کی خدمات کا کبھی اُن کو صلہ دیا گیا۔ انسانی تمدن میں اُن کی کوئی وقعت نہیں تھی اور اُن سے مثل چوپایوں کے برتاؤ کیا جاتا تھا۔ اب وہ تاریک زمانہ گذر گیا تھا اور عورتوں کی تعظیم اور تکریم ہونے لگی تھی۔ بی بی سودا نہ تو امیر زادی تھیں نہ کچھ ایسی عالی خاندان تھیں۔ اس پر بھی اُنہیں وہ مرتبہ حاصل ہوگیا تھا کہ وہ بڑے بڑے قریش سرداروں کی اور خیبر میں بڑے بڑے قہار سلاطین کی ماں کہلائیں۔ کیا اس سے زیادہ کسی قوم یا کسی مذہب نے عورتوں کو عزت دی ؟ اور آج تک کسی ملک میں بھی عورتوں کو اس قدر آسمان پر چڑھایا گیا ؟ موجودہ قومیں اس سوال کا جواب خواہ کسی صورت سے دیں۔ لیکن مختلف قوموں کی مذہبی کتابیں اور تواریخ اس کا صاف جواب دیتی ہیں۔ سمجھ میں آگئی ہوگی کہ بی بی سودا سے نکاح کرنے کی کیا غایت اور غرض تھی اور اُسے کس حد تک پورا کیا گیا۔ بی بی سودا کی نسبت بہت سی جھوٹی روایتیں مشہور ہیں اور وہ ایسی لغو ہیں کہ عقل کبھی اُنہیں تسلیم نہیں کرسکتی +

پہلی روایت تو ایک یہ مشہور ہے کہ جب اُن کے پہلے خاوند مریض ہوئے تو اُنہوں نے خواب میں دیکھا کہ حضور انور نے میری گردن پر پیر رکھ دیا۔ آنکھ کھلی تو اپنے مریض خاوند سے یہ بیان کیا اُس نے یہ تعبیر دی کہ میرے بعد تو دوسرا نکاح کرے گی۔ یہ خواب اور اس کی تعبیر عجیب و غریب ہے +

عرب میں عام دستور تھا کہ بیوہ عورت فوراً نکاح کرلیتی تھی اور ایک دن بھی خالی نہ رہتی تھی یہ ایک عام رواج تھا اور چونکہ رسم و رواج آگے چل کے قانون بن جاتا ہے اس لئے یہ ایک قانون ہوگیا تھا جسے بعد ازاں اسلام نے اور بھی مضبوط کردیا +

بی بی سودا کے شوہر کا یہ تعبیر دینا بھی عبث تھا جبکہ اُسے اپنے ملکی قانون کی پوری خبر تھی اور ساتھ ہی گردن پر پیر رکھنے کی تعبیر بھی ثانی نکاح کی طرح سمجھ میں نہیں آسکتی۔ مگر واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خواب اور اُس کی تعبیر اور بی بی سودا کے خاوند کا مریض ہوکے مرجانا ہی غلط ہے جبکہ وہ بالکل صحت کی حالت میں دشمنان اسلام کے مقابلہ میں شہید ہوا تھا۔ دوسرا سب سے زیادہ سنگین اعتراض یہ ہے کہ جب بی بی سودا ضعیف ہوگئیں تو آنحضرت نے اُنہیں طلاق دینی چاہی وہ یہ خبر سُن کے یا یہ خیال کرکے کہ پیغمبر خدا طلاق دینی چاہتے ہیں سخت پریشان

خاندان کے لحاظ سے بہت قریب کا تعلق نہ تھا۔ یہ نکاح حضرت بی بی خدیجۃ الکبریٰ کے دو مہینے

ہوئیں اور انہوں نے ایک دن رسول کریم سے کہا کہ میں اپنی باری بخوشی حضرت عائشہ صدیقہ کو دیتی ہوں۔
اے نبی کریم تم مجھے طلاق نہ دو۔ چنانچہ آنحضرت نے یہ منظور فرما لیا اور انہیں طلاق نہ دی۔ بعض روایات
میں یہ ہے کہ حضرت بی بی سودہ کے دل میں یہ خیال گذرا تھا کہ مبادا آنحضرت بسبب ضعیفی کے مجھے طلاق
دیدیں۔ آپنے اپنے اس خیال کا اظہار آنحضرت کی خدمت میں اس صورت سے کیا تھا۔ یہ ساری باتیں محض
لغو اور بے بنیاد ہیں۔ جس نبی نے محض سرپرستی اور رحمدلی فرما کے آپ کو اس وقت اپنے ہاں پناہ دی جب آپ
جوانی کی عمر کاٹ چکی تھیں۔ پھر کب سمجھ میں آسکتا ہے کہ چند ہی روز کے بعد آپنے آنکھیں پھیر لی ہوں۔ اور ایسی
بے پناہ بی بی کو طلاق دے کے نکال دینے کا ارادہ کیا ہو۔ جس شخص کی ایسی طبیعت ہو ہرگز اُس کی نفلیح کا اثر
نہیں ہو سکتا اور ممکن نہیں کہ کبھی کسی کے دل پر اس کی باتیں کوئی نیک خیال پیدا کر سکیں۔ اس قسم کی روایتیں
اگرچہ بعض کتب اسلامی میں دیکھی گئی ہیں مگر انہیں قرآن کے مقابلہ میں صحیح سمجھنا اور اُن ہی پر تکیہ کر کے بیٹھ رہنا
تحقیق اور انصاف کے خلاف ہے ❊

اسلامی کتب میں ہزارہا اس قسم کی روایتیں موجود ہیں کہ اگر اُن کا انتخاب کیا جائے اور صرف اُن
ہی کو پیش کیا جائے تو کبھی اُن سے اسلام کا مفہوم نہیں نکلتا کہ جو قرآن مجید پیش کرتا ہے اسلام کی بے نظیر کامیابی
جس کی شہادت دیتی ہے۔ ایک عیسائی مصنف اپنے دعوے میں روضۃ الاحباب کو پیش کرتا ہے۔ دوسرا
الواقدی کو تیسرا ابو الفدا کو چوتھا طبری کو پانچواں ابن ہشام کو۔ یہ صحیح ہے کہ یہ اسلام کی تاریخیں ہیں اور
یہ بھی صحیح ہے کہ مسلمانوں کی لکھی ہوئی ہیں۔ لیکن جمہور کا اتفاق ان کتابوں کے مصنفین کی معصومیت پر نہیں
ہے اور نہ خدا کی طرف سے انہیں کوئی سند صداقت کی مل گئی ہے۔ ان کتابوں کو اسلام سے کچھ تعلق ہے
کیونکہ یہ کتابیں اسلام کے بعد کی تصنیف کی ہوئی ہیں۔ ان میں تحریف کا ہونا بھی ممکن ہے اور یہ بھی
ممکن ہے کہ مصنف سے غلطی ہوئی ہو۔ جب قرآن مجید موجود ہے پھر ہم اس سے کیوں نہ تحقیق کریں اور
کیا وجہ ہے کہ ہم اپنا دارومدار جھوٹی روایات پر کر لیں۔ اسلام پر کیا منحصر ہے دنیا میں کوئی مذہب ایسا
نہیں ہے جس کا تکیہ اُسکے معتقد مصنفوں کی رائے پر ہو۔ سر ولیم میور نے جہاں اسلام پر اور عنایتیں
کی ہیں۔ وہاں آپنے بھی زور دیتے ہیں کہ الواقدی کو جسے کل مسلمان مصنف کاذب کہہ چکے ہیں۔ یہ صحیح

کے بعد ظہور میں آیا تھا۔ اس کے بعد حضرت صدیق اکبر کی صاحبزادی حضرت بی بی عائشہؓ

مانا جائے اور وہ بڑے فخر سے کہتے ہیں کہ میں نے بہت سی روایتیں اسی سے منتخب کی ہیں۔ خیر یہ اُن کی ذاتی رائے ہے اور انہیں اختیار ہے کہ وہ اپنی رائے خواہ کچھ ہی کیوں نہ کہیں مگر اسلام میں نہ ان باتوں کی کچھ وقعت ہے اور نہ یہ ذاتی خیالات مسلمانوں کے لئے حجت ہو سکتے ہیں +

ہمیں بی بی سوداؓ کی اس روایت پر ایک نظر کرنی ہے اور دیکھنا یہ ہے کہ یہ روایت کیا ہے اور اسکی حقیقت کیونکر ہے۔ مسلمانوں کی صحیح کتابوں میں بھی اس روایت کا ذکر ضرور ہے لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اس سے حضور انور کی ذات پر کیا الزام آتا ہے۔ حضرت عائشہؓ کو اپنی باری دینے کا خیال آنا۔ اور اس کی درخواست کرنا یہ حضرت بی بی سوداؓ کی ضعیفی پر دال ہو سکتا ہے یہ کسی روایت سے ثابت نہیں ہوتا کہ حضور انور نے کبھی اس قسم کا اشارہ کیا یا کسی دوسرے شخص سے کہا کہ میں طلاق دینا چاہتا ہوں حضرت بی بی سوداؓ اگرچہ اسلامی خواتین کی ایک عمدہ نظیر تھیں۔ اور آپ بہت پکی مسلمان تھیں۔ پھر بھی آپ میں موروثی خون کا اثر موجود تھا۔ جو نسلاً بعد نسل آپ میں چلا آتا تھا۔ اور وہ خون وہی عربی صفت کا خون تھا جس میں بڑھیا بیبیوں کو بلا وجہ چھوڑ دینا اور گھر سے نکال دینا ملا ہوا تھا۔ چونکہ آپ کو ام المومنین کا فخر حاصل ہو چکا تھا اور اس فخر کی عزت آپ محسوس کر چکی تھیں۔ اس لئے آپ کے دل میں یکایک یہ خوف گذرا کہیں پیغمبر خدا مجھے طلاق نہ دیدیں اور یہ عزت جو مجھے حاصل ہوئی ہے نہ جاتی رہے۔ اس خوف سے اگر آپ نے رسول خدا کی خدمت میں یہ عرض کر دیا ہو تو کچھ بعید نہیں ہے +

انسانی فطرت کا خاصہ ہے کہ جب ادنیٰ درجہ سے یکایک اسے کوئی عزت حاصل ہو جاتی ہے اور وہ سخت پریشانی اور بے پائیگی کے بعد کوئی اطمینان اور وقعت حاصل کر لیتا ہے تو اُسے معمولی طور پر یہ خیال ضرور آیا کرتے ہیں۔ کہیں پھر وہی کیفیت نہ ہو جائے اور ایسی صورت میں کہ اس عزت پر پہنچنے کی اُسے لیاقت نہیں ہوتی اور اتفاق سے اُسے عالی مرتبہ حاصل ہو جاتا ہے تو وہ دل ہی دل میں سہما کرتا ہے حضرت بی بی سوداؓ ابتدا میں ایک مصیبت زدہ خاتون تھیں اور آپ نے اسلام قبول کرنے کے بعد بڑی بڑی سختیاں اور پریشانیاں اُٹھائی تھیں۔ ادہر اُن مہیب رسوم کا اثر آپ کے دل و دماغ میں موجود تھا جو صدہا برس سے آپ کی قوم میں چلی آتی تھیں۔ اور چونکہ آپ ضعیف بہت ہو گئی تھیں۔ اور اسمیں ضعیفی کا اثر

سے نکاح ہوا۔ یہ نکاح محض اپنے دلی دوست حضرت صدیق اکبرؓ سے تعلقات بڑھانے کی

آپ کے خیالات پر بخوبی پڑنے لگا تھا۔ آپ نے یکایک یہ تصور کیا اور آپ کو ایک خوف سا معلوم ہوا۔
اور آپ نے اپنا دلی اظہار حضور انور کی خدمت میں کر دیا اب سمجھنے کی بات یہ ہے کہ کسی صحیح روایت سے یہ
نہیں معلوم ہوتا کہ آپ نے بی بی سودا کی باتوں کا کیا جواب دیا اور کیا آپ نے اُن کی اس پریشانی میں کچھ
ڈھارس بندھوائی۔ یا نہیں اور پھر آپ کبھی حضرت بی بی سودا کے پاس گئے یا نہیں۔ یا ہمیشہ تک
ان کی صورت نہیں دیکھی یہ ساری باتیں بہت ہی غور طلب ہیں اور ان پر معمولی توجہ سے ہرگز کام نہیں چلتا
باری سوچنے اور اس باری کی درخواست کو قبول کرنے کے یہ معنے ہیں کہ آپ نے اُن سے زن و شوئی کا
تعلق قطع کر دیا تھا اور ہمیشہ تک آپ نے بی بی سودا کی صورت نہیں دیکھی تھی۔ حالانکہ رسول خدا کے
اخلاق سے یہ امر بہت ہی بعید ہے۔ جس پاک نفس کی تعلیم کا یہ اثر ہو کہ تیرہ سو برس کے بعد ابھی کروڑوں بندگان
خدا حضرت آپ کے مبارک نام پر جان دینے کو موجود ہوں اور آپ کا نام اُن کے کلیجے ہلا دینے کے لئے عجیب
اثر رکھے۔ اس کی نسبت ایسے مہمل خیالات پکانے سخت بے انصافی ہے۔ یہاں سے یہ بات پیدا ہوتی
ہے کہ اگر اس روایت کو بہر وجوہ صحیح بھی مان لیا جائے پھر بھی رسول مقبول پر کوئی الزام نہیں ہوتا۔ کیونکہ
درخواست کی بی بی سودا نے اپنے سوروثی خیالات کے مطابق محض بڑھاپے اور کمزور دل ہونے کی وجہ
سے از خود بی بی سودا کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا اور انہوں نے معمولی طور پر اس کا دفعیہ حضور انور سے
ذکر کر کے کر دیا اور ساتھ ہی باری سے دست بردار ہونے کے یہ معنی ہیں کہ میری عمر بڑھاپے کی آگئی ہے
میں نے کچھ شوہر کی خواہش کی وجہ سے نکاح نہیں کیا تھا۔ بلکہ غرض یہ تھی کہ میں حضور انور کی سرپرستی
میں آجاؤں اور یہی باری دینے کے معنے بھی ہیں کیونکہ بلا درخواست اپنی باری سے دست بردار ہونے کا
یہی مطلب ہے جو بیان ہوا ایک پہلو یہ تھا جو ہم نے بیان کیا۔ اور اس روایت کا دوسرا پہلو اور ہے جس پر ہم
بحث کرتے ہیں اور ہم اس قسم کی جتنی روایتیں ہیں خواہ وہ صحیحین میں ہوں یا قرآن مجید میں۔ تواریخ میں ہوں
یا تفسیروں میں سب کے ایک ہی معنے لیتے ہیں۔ اور کل روایتوں کا ایک ہی پہلو ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو
کچھ قرآن مجید میں رسول کریم کو ازواج کے معاملہ میں خطاب کیا گیا ہے۔ اصل میں اس خطاب کے اصلی مخاطب
مسلمان ہیں۔ عورتوں کا معاملہ چونکہ زیادہ پیچیدہ تھا اور بہت ہی خطرناک صورت پکڑ گیا تھا اس لئے

بنا پر کیا گیا تھا اس وقت آپ کی عمر چھ یا سات برس کی تھی۔ لیکن حضور انور کی مبارک عمر پچاس برس

اُس کا زیادہ سمجھانا مقصود تھا اور سمجھانے کا عمدہ پیرایہ یہی تھا کہ خود نبی کو مخاطب بنا لیا جائے۔ جب نبی سے خطاب کیا جائے گا۔ تو مسلمانوں پر اس کا بہت اثر پڑے گا۔ اور وہ نہایت کوشش سے اُس پر عمل کریں گے۔ اسی طرح جتنی صحیح حدیثیں اس قسم کی آئی ہیں۔ ان میں بھی دور اندیش پیشوایان اسلام نے بالخصوص عورتوں کے معاملہ میں آنحضرت ہی سے نسبت دی ہے تاکہ مومنین کو تنبیہ ہو۔ مثلاً بی بی سودا ہی کے معاملہ سے ایک زبردست تنبیہ مسلمانوں کو نکلتی ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر ایک بی بی بڑھیا ہو جائے اور تمہاری اور جوان بیبیاں موجود ہوں یا تم نکاح کرو تو اُس بڑھیا کو محض بڑھاپے کی وجہ سے طلاق دینی نہیں چاہئے۔ اور باہم اس کا معاملہ طے ہو جانا لازم ہے۔ جیسا کہ خداوند تعالےٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے۔ وان امرأۃ خافت من بعلھا نشوزًا او اعراضًا فلا جناح علیھما ان یصلحا بینھما صلحًا ط والصلح خیرٌ ط (سورہ نساء) یعنے اگر کسی عورت کو اپنے شوہر سے علیحدگی اور بے پروائی کا اندیشہ ہو تو ان دونوں پر کچھ گناہ نہیں ہے۔ کہ وہ آپس میں صلح کرلیں اور صلح بہتر ہے اس آیت کے شان نزول میں اختلاف ہے۔ بعض راوی تو یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت بی بی سودا کے لئے نازل ہوئی تھی۔ جب اُن کے دل میں یہ خوف پیدا ہوا تھا کہ رسول خدا مجھے طلاق نہ دیدیں اور بعض راویوں کا یہ قول ہے کہ اس آیت میں عام حکم ہے۔ اور اس کا نزول بالخصوص بی بی سودا کے لئے نہیں ہوا تھا بہر حال کچھ ہی کیوں نہ ہو اس آیت سے یہ ضرور پایا جاتا ہے کہ مفارقت کسی صورت سے جائز نہیں ہے اور باہم صلح ہو جانی بہتر ہے۔ اب عورت کے دل میں اپنے خاوند کی طرف سے خوف پیدا ہو جانا بے بنیاد بھی ہو سکتا ہے اور اس کی معقول وجہ بھی ہو سکتی ہے۔ ممکن ہے کہ خاوند کسی فکر یا کسی خیال کی وجہ سے چند روز تک بی بی سے اپنی معہودہ عادت کے مطابق برتاؤ نہ کرے اور بی بی کو شبہ ہو کہ یہ مجھ سے ناراض ہے اور مجھے چھوڑنا چاہتا ہے۔ ایسی حالت میں خیالات کی صفائی ضرور ہو جانی چاہیئے۔ اور یہی حکم خدا تعالےٰ کا ہے یا شوہر کو اپنی بی بی کی کوئی بات بری لگی ہو اور وہ کسی وجہ سے نہ کہہ سکتا ہو مگر کشیدہ خاطر رہنے لگے اور عورت کو اپنی خطا کا علم نہ ہو اور وہ دل میں مفارقت کا اندیشہ کرنے لگے تو اس حالت میں بھی صفائی ہو جانی بہتر ہے تاکہ طرفین کے دل سے کدورت نکل جائے ✣

سے کم نہ تھی۔ نکاح سے تین سال کے بعد وداع ہوئی اور اس سے خاندانی تعلقات کے وہ معاملہ

غرض حضرت بی بی سودا کا ایسا معاملہ نہیں ہے جس پر یہ طوفان بے تمیزی برپا ہو رہا ہے اور بلا وجہ اُسے رنگ چڑھا چڑھا کے بیان کیا جاتا ہے۔ بات صرف یہ ہے کہ جو روایت سے ثابت ہوتی ہے کہ ان کے دل میں از خود یہ خیال پیدا ہوا کہ آنحضرت بسبب ضعیفی کے مبادا انہیں طلاق دیدیں اور انہوں نے اپنے بے بنیاد شبہ کو آنحضرت سے عرض کر کے رفع کر لیا۔ بس اتنی بات ہے اور اس میں اور کوئی اعتراض کے قابل امر نہیں ہے +

بی بی سودا اگرچہ خاتم النبیین کی بی بی تھیں مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ میں نبوت کی شان بھی پائی جاتی تھی۔ اور ان ربانی صفات سے مملو تھیں۔ جو خاص نبیوں کو فطرت کی طرف سے عطا ہوتی ہیں آپ میں علاوہ معمولی خون ہونے کے عورتوں کی وہی فطرت تھی جو روز ازل سے انہیں عطا ہوئی ہے اور اسی وجہ سے آپکے دل میں وہی خیال آیا جو اس عمر والی بی بی کو آسکتا تھا۔ بڑی حکمت جو آپکے اس خیال میں مضمر ہے وہ یہ ہے کہ آپ نے اس طرح اپنا اندیشہ ظاہر کر کے اس بات کا نقشہ کھینچ دیا کہ اس زمانہ میں عورتوں سے کیسا شرمناک برتاؤ کیا جاتا تھا۔ اور یہ بیان مثل جوتی کے تھیں کہ پرانی ہوئی اور اتار کے پھینکدی۔ یہی راز تھا جو اس روایت میں مضمر ہے اور جس کا بڑی دقت سے کھوج لگایا گیا ہے +

جو کچھ ہم نے اوپر لکھا ہے اس روایت کو صحیح مان کے لکھا ہے مگر ہماری رائے جہاں تک ہمیں تحقیق ہوا ہے یہ روایت سراسر بناوٹی اور لغو ہے اور رسول کریم کی معاشرت پر ہرگز چسپاں نہیں ہوتی۔ یہ روایت منجملہ اُن لاکھوں غلط روایات کے ہے جو جدید فرقوں نے اسلام میں داخل ہونے پر تراشی ہیں اور کسی اعلیٰ درجہ کے مورخ یا محدث کو واقعات یا حدیث کی تدوین کرتے وقت اس کا خیال نہ رہا ہو۔ اس لئے کہ کسی محدث کسی مفسر کسی مجتہد کو معصوم نہیں تسلیم کیا گیا ہے اور کوئی مسلمان نہیں کہہ سکتا کہ فلاں محدث یا مفسر یا مجتہد معصوم تھا۔ جب اسماء الرجال بنا ہے اور گھری گھوئی حدیثیں پرکھنے میں آئی ہیں ممکن اور قرین قیاس ہے کہ لاکھوں جھوٹی سچی حدیثوں کے انتخاب کے وقت دس بیس پچاس ایسی بھی انتخاب ہو گئی ہوں جنہیں سچا سمجھ لیا ہو۔ اور وہ اخیر میں اُن صحیح کتابوں میں باقی رہ گئی ہوں جو اس وقت ہمارے ہاتھوں میں ہیں۔ ہماری اس رائے سے کسی کو بھی انکار نہیں ہو سکتا اس لئے کہ سوائے رسول کریم کے ہم کسی کی معصومیت کے

جو پہلے خیال کرلئے گئے تھے ظہور میں آئے +

قائل نہیں ہیں۔ اس کی بابت ہم آیندہ کہیں مفصل بحث کریں گے اور اب بی بی سودا کے حالات کو لکھ کے ختم کرتے ہیں کہ اول تو یہ روایت ہی صحیح طور پر لغو ہے خواہ علاوہ قرآن کے کسی کتاب میں کیوں نہ ہو اور اگر اس روایت کو صحیح مانا جائے تو ہماری اوپر والی توضیح اس کے لئے کافی ہے +

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

اس خاتون معظم کی نسبت کچھ اعتراضات کئے گئے ہیں نہ صرف عیسائیوں کی طرف سے بلکہ مسلمانوں کے ایک فریق کی جانب سے بھی بہت کچھ نکتہ چینیاں ہوئی ہیں۔ ہم ان اعتراضوں کی اصلیت پر غور کریں گے اور دیکھیں گے کہ وہ کہاں تک صحیح ہیں اور ان کی اصلیت کیا ہے +

مختلف روایتوں کے طوفان بے تمیزی نے غضب ڈھایا ہے اور جب ایک محقق شخص اس ڈھیر میں سے سچی روایتیں منتخب کرنا چاہتا ہے تو اسے دقتیں پڑتی ہیں اور وہ پریشان ہو کے کبھی منہ نوچتا ہے اور کبھی گریبان پھاڑتا ہے اور پھر غور کرنے بیٹھ جاتا ہے بڑی کوشش اور وقت کے بعد ہم نے کچھ واقعات کا انتخاب کیا ہے اور ہم خیال کرتے ہیں کہ ہمارا یہ انتخاب ایک حد تک ناظر سیئر کا اطمینان کر دے گا۔ حضرت عائشہ صدیقہ حضرت ابوبکر صدیق کی صاحبزادی تھیں اور آپ کی سات سال کی عمر تھی جب رسول کریم سے آپ کا نکاح ہوا تھا۔ اور تین برس کے بعد آپ وداع ہوئی ہیں۔ اس کم عمری کے نکاح پر بعض دریدہ دہن عیسائیوں نے بہت بڑی زبان درازیاں کی ہیں اور محض بازاری الفاظ سے رسول کریم کو یاد کیا ہے مگر ہم نہ اُن الفاظ کو نقل کریں گے اور نہ اُن کا ترکی بترکی جواب دیں گے۔ بلکہ جو طریقہ کہ نہایت شائستگی کا ہم نے اختیار کر لیا ہے اُس سے ہم تجاوز نہیں کریں گے اور انہیں مہذب الفاظ میں کل جوابات آجائیں گے +

پہلا اعتراض صرف یہ ہے کہ نبی کی شان سے بعید ہے کہ اس چھوٹی سی عمر کی بچی سے نکاح کرے۔ اس اعتراض کا مطلب نہیں سمجھ میں آیا۔ نکاح کے لئے کوئی عمر خاوند یا بی بی کی آسمانی مقرر کی ہوئی نہیں مگر چونکہ یہ دنیا کے معاملات میں اس لئے ملکی رسوم کے موافق اُن پر کاربند ہونا پڑتا ہے۔ اگر ایک شخص کا نکاح اپنی عمر سے بہت کم لڑکی سے ہو تو اس کے یہ معنے ہرگز نہیں ہوئے کہ بدنیتی سے نکاح ہوا۔ جب جائز طریقہ مناکحت کا

حضور انور سخت مایوسی کی حالت میں طائف سے واپس تشریف لا چکے تھے اور یہ مایوسی کچھ اپنی

بتا گیا پھر اس کے ناجائز ہونے کا کیا ثبوت ہو سکتا ہے۔ عرب چونکہ گرم ملک ہے اس لئے وہاں چھوٹی عمر میں اکثر نکاح ہو جاتے ہیں کچھ عرب ہی پر منحصر نہیں ہے۔ بلکہ دنیا کے تمام ممالک میں عورت و مرد کی عمر میں بہت بڑا فرق ہوتا ہے۔ ہر قوم میں ہزاروں ایسے لوگ موجود ہیں۔ جن کی عمریں پچاس ساٹھ سال سے زیادہ تجاوز کی ہوئی ہیں۔ مگر ان کی بیبیوں کی عمر پندرہ سولہ برس سے زیادہ کی نہیں ہے۔ اگر نکاح کرنے میں عمروں کی کوئی قید ہو تو وہ بتانی چاہئیے۔ مثلاً یوسف نجار کی عمر اسی سال کی تھی۔ اور حضرت بی بی مریم عیسائیوں کے خدا خداوند کی والدہ ماجدہ کی پندرہ سولہ سال کی تھی۔ جب شادی ہوئی ہے کیا ہم اپنی نادانی سے اس شادی کو ناجائز کہیں گے۔ اور کیا یہ ممکن ہے کہ دنیا کا بڑا حصہ ناجائز شادیوں کا مرتکب گنا جائے۔ یہ عجیب قانون ہے اور غریب استدلال ہے کہ جس کا سر نہ پیر۔ رسول کریم بدنیت تھے اس لئے انہوں نے بہت کم عمر کی لڑکی سے نکاح کیا تھا۔ اس سے زیادہ تعصب اور ہو نہیں سکتا کہ بلا وجہ الزام قایم کر دیا اور خوش ہو گئے کہ ہم نے بڑا پالا مارا۔

اس نکاح کا ایک سیاسی پہلو ہے اور اُسے بغور دیکھنا چاہئے۔ حضرت صدیق اکبر قریشی سردار تھے اور انہیں رسول کریم نے ایک خاص عزت بخشی تھی۔ ہجرت کے وقت بھی انہوں نے رفاقت کی تھی اور حضرت صدیق کی صاحبزادی اپنی جان کا خوف نہ کر کے غار میں ایک وقت کھانا پہنچا آتی تھیں۔ یہ خلوص اور محبت تھی مگر صدیق اکبر کے بہت سے رشتہ دار بھی مخالفت پر تلے ہوئے تھے اور برابر مخالفانہ کارروائی کئے جاتے تھے۔ حضرت ابوبکر کے خیال میں اس سے بہتر کوئی حکمت نہیں آئی کہ اپنی صاحبزادی کا نکاح رسول کریم سے کر دیں تاکہ رشتہ داروں کی غصہ کی آگ رشتہ ہو جانے کی وجہ سے ٹھنڈی پڑے اور بعد ازاں علانیہ مخالفت نہ ہو سات برس کی عمر میں نکاح کرنے سے یہی بہت بڑی غرض تھی اور فی الحقیقت حضرت ابوبکر صدیق کا خیال بھی صحیح تھا۔ آپ نے اپنے خیال کو پختہ کر کے رسول کریم سے درخواست کی اور عرض کیا کہ میں اپنی چاہیتی بیٹی آپ کے نکاح میں دیتا ہوں۔ رسول کریم نے قبول فرما لیا۔ یہ ممکن ہے کہ صدیق اکبر نے اس جدید نکاح کے راز اپنے معصوم نبی کو سمجھائے ہوں گے اور تمام اونچ نیچ بتا دی ہو گی۔ غرض باقاعدہ نکاح ہوا اور تین برس بعد حضرت بی بی عائشہ وداع کر دی گئیں۔

ناکامیابی پر نہ تھی بلکہ مخلوق خدا کی تباہی اور بربادی کی تھی۔ تلقین دین خدا کا عزم بالجزم

(۸) نکتہ چینی:

اس جدید تلقین نے ایک نئے اتحاد کی اور بنیاد ڈالی اور جو مقاصد کہ اس سے حاصل ہونے خیال کئے گئے تھے سب آسانی سے حاصل ہو گئے۔ اب یہ باتیں بیان کرنا کہ رسول کریم کو سب بیبیوں سے زیادہ بی بی عائشہ سے بہت محبت تھی اور آپ اُن ہی کے پاس زیادہ رہتے تھے فضول بات ہے ہم بھی کہتے ہیں ہاں محبت تھی اور بہت ہی محبت تھی سخت شرم کی بات ہے کہ خاوند بی بی کی محبت پر بھی نکتہ چینیاں ہوتی ہیں اور اسے بھی عیب گنا جاتا ہے +

اس میں شک نہیں کہ آپ نے اپنی بی بیوں سے محبت کر کے اس بات کی نظیر قایم کر دی کہ بیبیاں اس لئے نہیں بنائی گئی ہیں کہ اُن سے بحقارت پیش آیا جائے اور اُنہیں مثل لدائو جانوروں کے سمجھا جائے اور نفرت سے اُن سے بات کی جائے۔ اور کبھی بخندہ پیشانی اُن سے پیش نہ آیا جائے یہ ساری باتیں دنیا کی تمام متمدن اور غیر متمدن اقوام میں عورتوں کے ساتھ برتی جاتی تھیں۔ اور جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں عورتوں کو اثاث البیت خیال کیا جاتا تھا۔ نیا لے لیا پرانا پھینکدیا۔ آپ نے اس لئے بھی اتنی شادیاں کی تھیں کہ خود برتاؤ کر کے اپنی امت کو بتا دیں کہ کس طرح بیبیوں سے محبت رکھتے ہیں ان کے فرایض کیا ہیں اور انہیں کیونکر ادا کیا جاتا ہے۔ متعدد بی بیاں ہونے پر بھی سب کے ساتھ یکساں برتاؤ کیا جاتا ہے اور یکساں سب کے حقوق کی نگہداشت کی جاتی ہے۔ زبانی نصیحت کا اتنا بڑا اثر نہیں پڑتا تھا جتنا عملی نصیحت کا ہوتا ہے اور آپ کو بحیثیت ایک جلیل القدر نبی ہونے کے لازمی بلکہ ضروری تھا کہ دنیا کی معاشرت میں آپ نے جو کچھ ترمیمیں کی تہیں وہ خود کر کے دکھا دیں جو کچھ آپ کی ترمیم شدہ معاشرت تھی ورنہ صرف قریشیوں سے بلکہ یہود و نصاریٰ سے بھی غیر تھی۔ عورتوں کے حقوق کی نگہداشت اس طرح اُن سے محبت کرنا یہ ایک عجیب و غریب راز تھا جو دنیا تعجب سے دیکھ رہی تھی اور بعد ازاں مسلمانوں کی معاشرت کو لونڈیاں بیگموں سے زیادہ بڑھ گئیں۔ غیر قوموں میں تعجب سے دیکھی گئی +

اگر آپ متعدد نکاح نہ کرتے تو مسلمانوں کو عملی طور پر کیونکر سمجھا سکتے تھے کہ بی بیوں سے کیونکر برتاؤ کرنا چاہیئے۔ اور اُن کے حقوق اگر متعدد ہوں تو مساوی رکھنا خلیفہ کا بہت بڑا فرض ہے۔ عیسائی حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ الزام رکھتے ہیں کہ آپکو عورتوں سے بہت محبت تھی۔ یہ بھی عجیب

ان مصائب پر بھی جوں کا توں بنا ہوا تھا۔ آپ کسی اچھے موقع کے انتظار میں تھے کہ کیا یک

تماشہ کی بات ہے کہ عورتوں سے محبت کرنے کو اس انیسویں صدی کے متمدن زمانہ میں جرم قرار دیا جاتا ہے لاکھ کچھ تہذیب پھیلے اور ہزار کچھ تمدن میں ترقی ہو لیکن ممکن نہیں کہ عیسائیوں کی عورت سے نفرت کرنے کی موروثی عادت جاتی رہے۔ انسان کی جو اصلی فطرت ہونی چاہئے اور جس کے بغیر انسان کبھی انسان بن نہیں سکتا۔ اس صفت پر دیدہ دہن معترض حملہ کرتے ہیں اور اس کا شمار دنیا کے بدترین عیبوں میں کرتے ہیں۔ عیب نماید ہنرش در نظر کا مضمون ہے۔ یہ صحیح حدیث ہے اور اس کی صداقت میں ذرا بھی شک نہیں ہے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ مجھے تین چیزیں مرغوب ہیں۔ نماز۔ خوشبو اور عورت۔ بظاہر اس حدیث سے نفس پرست کچھ ہی خیال کیوں نہ کریں۔ مگر اس حدیث قدسی میں عورتوں کے اعلےٰ مدارج کا پورا خاکا کھینچ دیا ہے اور بتا بھی دیا ہے کہ عورتوں کے کیا مدارج ہیں۔ اور ان کے ساتھ کس طرح پیش آنا چاہیئے۔ دنیا بھر کی اس شرمناک رسم پر کہ عورتوں کو مثل مویشیوں کے خیال کیا جاتا تھا۔ اس حدیث سے ایک بہت بڑا تازیانہ لگا۔ اور تمام قدیم خیالات کی جڑ اکھیڑ کے پھینک دی گئی۔ آپ نے عورتوں کی محبت کو عبادت الٰہی کے پہلو بہ پہلو رکھا ہے اور اس سے زیادہ عورتوں کی تعظیم ممکن نہیں۔ کون اعتراض کر سکتا ہے کہ اسلام میں عورتوں کی کوئی وقعت نہیں کی گئی۔ اور کون دعوے کر سکتا ہے کہ اسلام عورتوں کے حق میں ظالم ثابت ہوا ہے آپ نے عورتوں سے محبت کرنے کا بڑی سرگرمی سے اس وقت اعتراف فرمایا کہ جب عورتوں کو پیدا ہوتے ہی زندہ درگور کرنے کی مہیب رسم تمام عرب میں جاری تھی اور تمام قوموں نے عورت کو شیطان کا لقب دیا تھا۔ اس رستخیز اور عورتوں سے انتہا درجہ نفرت کے زمانہ میں عورتوں کی محبت کو عبادت سب الافواج اور خوشبو کے پہلو بہ پہلو رکھ دینا ایک زبردست دلیری اور اعلیٰ درجہ کی عورتوں کے مدارج میں ترقی تھی۔ اور انصاف سے نظر کرنے کے بعد معلوم ہو سکتا ہے کہ عورتوں سے محبت اور اُن کا پاس و ادب کرنے کا فخر اسلام سے زیادہ کسی مذہب کو بھی نہیں ہے۔ جو عیسائی مصنف کہ اس غیر معمولی محبت پر حضور انور پر اعتراض کرتے ہیں وہ بھی حق بجانب ہیں کیونکہ انہیں باپ نے اباء واجداد کی نفرت کا ورثہ ملا ہے اگرچہ بظاہر وہ کیسی ہی باتیں بنائیں۔ لیکن ممکن نہیں کہ دل سے اُس نفرت کو مٹا دیں جو ان کے خون میں صدہا سال سے ملی ہوئی ہے +

حج کا زمانہ شروع ہوگیا یہ وہ زمانہ تھا کہ لڑائی اور فساد سب بند ہوجاتے تھے حضور انور نے

حضور انور نے زبان مبارک ہی سے نہیں فرمایا کہ مجھے عورتوں سے دلی محبت ہے بلکہ عملی ثبوت بھی اس کا دیدیا اور دنیا کو سکھادیا کہ عورتوں کی محبت انسانیت اور شرافت کی جزو اعظم ہے اور وہ انسان نہیں ہے کہ جس کے دل میں عورتوں کا پاس و ادب نہ ہو +

حضور انور کی اس عملی تعلیم کا اثر مسلمانوں پر بین طور سے ہوا اور آج دنیا میں کوئی قوم ایسی نہیں نکلنے کی جس کے ہاں عورتوں کا اتنا بڑا احترام کیا جاتا ہو۔ جتنا مسلمانوں کے ہاں ہوتا ہے۔ حضور انور کی کل ازواج پاک امہات المومنین کے معزز لقب سے ممتاز ہیں اور ہمیشہ مسلمانوں نے اس کا وہی احترام کیا ہے۔ جو ان کے ساتھ بمقتضائے اصول اسلام ہوسکتا تھا۔ حضرت فاطمۃ الزہرا حضور انور کی صاحبزادی دنیا کی خاتونوں میں اول درجہ سمجھی جاتی ہیں۔ اور آپ ہی خاتون محشر بھی کہلاتی ہیں۔ یہاں تک آپکا احترام کیا گیا کہ مسلمانوں نے اپنی اخروی نجات کا دارومدار آپ ہی کی تعظیم پر منحصر کردیا۔ اسی طرح حضرت بی بی عائشہ کو تمدن اسلام میں بہت بڑا مرتبہ عطا کیا گیا اور احادیث صحیحہ کے بڑے حصہ کی صحت کا دارومدار صرف آپ ہی کی ذات پر موقوف ہے۔ آپ سے صدہا احادیث منقول ہیں اور آپ نے مذہب اسلام کو ایسی مدد دی ہے کہ جب تک دنیا قایم ہے وہ آپ کا ممنون رہے گا +

حضرت بی بی عائشہ کی مفصل سوانح عمری سے جو ہم آگے لکھیں گے آپ کا علم و فضل آپکا سیاسی دماغ آپ کی سپاہیانہ کارروائیوں کا پورا علم ہوجائیگا اور کافی طور پر اس امر کی صداقت ہوجائے گی کہ اسلام نے عورتوں کو کتنا عروج پر پہونچایا تھا اور اُن کی مردوں کے ساتھ کس حد تک مساوات ہوگئی تھی +

اس نکاح کی بابت اگر عیسائیوں کا کوئی اعتراض ہے تو وہ صرف یہ ہے کہ بہت کم عمری میں نکاح ہوا اور بس۔ سوا اسکے وہ کوئی اعتراض نہیں کرتے یا اُن روایتوں کو نقل کرتے ہیں جو حضرت بی بی عائشہ کی نسبت مشہور ہیں کہ انہوں نے اپنی زبان سے اپنے تعلقات زوجیت کا اظہار کیا اور اُس محبت کو بتایا جو حضور انور آپ سے رکھتے تھے۔ چنانچہ ہم ان روایتوں کا خلاصہ کردیتے ہیں جو حضرت بی بی عائشہ کے ساتھ نسبت دیجاتی ہیں۔ اور انہیں کو اُن کا قائل بتایا جاتا ہے وہ روایتیں یہ ہیں۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں میں پیغمبر خدا کی ساری ازواج میں کئی وجہ سے اچھی ہوں۔ اول آپکی ساری بیبیوں میں میں ہی بن بیاہی آئی۔

علانیہ وعظ فرمانے شروع کئے اور آپ ایک دن عرفات سے منا میں آ کے قیام پذیر ہوئے کیونکہ

دوئم میرے ماں باپ مہاجر تھے۔ سوئم جب زنا کاری کا بہتان لگایا گیا تھا۔ آسمان سے میرے بے گناہ ہونے کی آیت نازل ہوئی تھی چہارم جب میں بن بیاہی تھی۔ جبرئیل نے میری تصویر پیغمبر خدا کو دکھائی تھی کہ اس سے نکاح کریں پنجم میں اور پیغمبر خدا ایک برتن میں دونوں نہایا کرتے تھے اور کسی بی بی کے ساتھ ایسا نہیں ہوا ششم شب کو پیغمبر خدا نماز پڑھتے تھے اور میں سامنے لیٹی رہا کرتی تھی ہفتم کسی بی بی کے ہاں سوتے ہوئے وحی نہیں آئی۔ مگر میرے ہاں اس وقت کبھی کبھی وحی بھی آتی تھی۔ ہشتم آپ نے اس وقت وفات پائی۔ جب میرے زانو پر سر مبارک رکھا ہوا تھا۔ نہم جس شب آپ نے وفات پائی وہ میرے مکاں میں رہنے کی شب تھی۔ دہم میرے ہی حجرے میں آپ مدفون ہوئے۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سی باتیں مشہور ہیں جو حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے بیان کی جاتی ہیں یعنے آپ فرماتی ہیں جب میرا نکاح ہوا میں چھ سال کی تھی اور جب میں اپنے گھر سے رخصت ہوئی تو میری عمر نو برس کی تھی۔ میرا مہر پانسو درہم کا چند عاتھا سو وغیرہ وغیرہ اور بھی بہت سی روایتیں ہیں جو ہم نے عمداً قلم انداز کر دی ہیں اور ہمارا خیال ہے کہ سب کا ایک ہی مفہوم یہ ہے کہ پیغمبر خدا کو آپ کے ساتھ سب بیبیوں سے زیادہ خصوصیت تھی۔ اب ہم ان روایتوں کی نظرت پر ایک نظر کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ ان میں صداقت کا کتنا مادہ ہے +

جہاں تک غور کیا جاتا ہے ان میں سے ایک روایت بھی صحیح نہیں معلوم ہوتی اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ جب تک یہ ثابت نہ کیا جائے کہ دوسری ازواج نے آپ کے مقابلہ میں رسول خدا کی محبت کا اظہار کیا تھا ہرگز یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ بلا وجہ حضرت عائشہ نے اُن رازدارانہ تعلقات کے بیان کرنے میں جو زوجیت سے متعلق تھے اتنی دردسری فرمائی ہو۔ کسی حدیث اور کسی تاریخ اور کسی ضعیف سے ضعیف روایت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضور انور کے وصال کے بعد خلفائے راشدین میں سے ایک خلیفہ نے بھی امہات المومنین کی تکریم اور عزت کرنے اور اُن کے حقوق بحال رکھنے میں کچھ بھی کمی کی ہو۔ یا اُن میں کچھ امتیاز قایم کیا ہو۔ مثلاً حضرت ابوبکر صدیق کے زمانہ میں کل ازواج پاک سے ادب اور بے انتہا تکریم کا یکساں برتاؤ کیا جاتا تھا۔ سب کی تنخواہوں میں مساوات تھی اور ایک تل برابر فرق بھی کسی سے برتاؤ کرنے میں نہ تھا۔ حضرت بی بی عائشہ کی زیادہ تنخواہ مقرر نہیں ہوئی تھی نہ انہیں کوئی جاگیر بخش دی گئی تھی۔ نہ بی بی حفصہ کے ساتھ

لوگ عرفات میں اپنے مذہبی ارکان ختم کرکے منا میں قربانی کرنے کو جمع ہوتے تھے۔ اور جب قربانی

کوئی خاص رعایت حضرت فاروق اعظم کے زمانہ میں ہوئی تھی۔ جب یہ بات نہ تھی اور مساوات اس درجہ تک قایم تھی پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ کیونکہ کسی بی بی نے حضور انور کے ساتھ اپنی خصوصیات کا جبکہ مقابلہ میں اور کوئی مدعی نہ تھا بلا وجہ اظہار کیا یہ ایک گہرا راز ہے جو زیادہ توجہ کا محتاج ہے اور یہ ایک بڑی بات ہے جس کے ذریعہ سے مذکورہ روایتوں کی صداقت اور غیر صداقت معلوم ہو جاتی ہے +

انسانی فطرت کا خاصہ ہے کہ جب وہ کسی سرپرست کی وفات کے بعد اپنے حقوق زائل ہوتے ہوئے دیکھتی ہے یا یہ نظر کرتی ہے کہ دوسرا مدعی مقابل میں اپنی خصوصیت کا اظہار کرتا ہے تو اس وقت ادبدا کے اُسے ان تعلقات کا خواہ زبانی ہوں یا تحریر میں آچکی ہوں اظہار کرنا پڑتا ہے جو مرحوم کے ساتھ اُسے تھے۔ اس کا ذکر نہیں کہ اس کے بیان میں صداقت کس قدر ہوتی ہے اور لغویات کتنی اور جب یہ بات نہیں ہے اور کوئی مدعی بھی نہیں کھڑا ہوا ہے اور نہ حقوق زایل ہونے کا اندیشہ ہے پھر نہیں ممکن ہو سکتا کہ وہ بلا وجہ بولنے لگے کہ مجھ سے یہ خصوصیت تھی اور یہ گہرا تعلق تھا۔ ایک پہلو تو یہ ہے دوسرا پہلو ان روایات کا جن کی نسبت حضرت بی بی عایشہ رضی اللہ عنہا سے دی جاتی ہے یہ ہے کہ خیال نہیں ہو سکتا کہ زوجیت کے رازدارانہ تعلقات کا کوئی خاتون علے الاعلان اظہار کرے۔ عورت کی فطرت میں خواہ وہ کسی ملک کی کیوں نہ ہو شرم کا مادہ ودیعت ہوا ہے اور ساتھ ہی وہ اپنے خاوند کے رازوں کو بھی کبھی کسی حالت میں دوسروں کے آگے بیان نہیں کرنے کی یہ باتیں جن کا تعلق خاص اپنے نفس سے ہوتا ہے کسی دوسرے شخص کے آگے اُن کا دوھرانا محض فضول ہے اور بالخصوص حضرت عائشہ صدیقہ جیسی عالمہ کی نسبت یہ خیال کرنا کہ آپ نے زوجیت کے رازوں کا اس طرح اظہار کر دیا تھا سمجھ میں نہیں آتا۔ یہ ہم مانتے ہیں کہ یہ روایتیں اسلامی کتب میں موجود ہیں اور اس کا اعتراف بھی کرتے ہیں کہ اُن میں بعض روایات کا پتہ اسلامی کتب صحیح میں بھی ملتا ہے۔ مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہم اُن روایتوں کا مفہوم سمجھیں جس کو عام لوگ سمجھتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں جس طرح ہمارے پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو عورتوں کی عزت اور تحریم کا خیال تھا۔ اسی طرح آپ کے بعد علما اور محدثین کو بھی اس کی طرف پوری توجہ تھی۔ چونکہ یہ ترمیم عورتوں کے تمدن میں نئی نئی ہوئی تھی۔ اسلئے علماء اسلام کو خیال تھا کہ مبادا نو مسلم پھر اپنی موروثی

کر چکے تھے تو اپنے اپنے گھر واپس چلے جاتے تھے۔ اس ہجوم میں سنا کی تنگ گمانی کے

عادت پا گئے آئیں اور عورتوں کو اُسی نفرت کی نظر سے دیکھنے لگیں جس نظر سے کہ ان کے آبا و اجداد یا وہ خود قبل از اسلام دیکھتے تھے۔ اس نظر سے ایسی روایتیں بنائی ہوں جن میں یہ تذکرہ ہو کہ نبی معصوم کس طرح اپنی ازواج پاک سے محبت رکھتے تھے اور آپ نے عام مسلمانوں کو کس طرح عورتوں کے ساتھ نیک سلوک کرنے کی عمدہ تعلیم دی ہے۔ ان روایات کے بیان کرنے میں سوائے اس حکمت کے اور کوئی حکمت سمجھ میں نہیں آتی۔ ابتدائے زمانہ کے مسلمانوں کے سادہ خیالات اور سادی معاشرتیں تھیں جو اُن کے دل میں تھا وہ اُن کی زبان پر تھا اور وہ ہرگز نہیں سمجھتے تھے کہ جو اقوال نیک نیتی سے بیان کئے گئے ہیں اُن پر اسی طرح نکتہ چینیاں ہوں گی اور یہ طوفان بے تمیزی اُٹھے گا۔ وہ اپنا سا نیک نیت دنیا کو سمجھتے تھے اور انہیں اسلام نے اول ہی روز سے یہ تعلیم ہی نہیں دی تھی کہ بدظنی کو اپنے خیال میں رستہ دیتے ان روایات کی مجموعی صورت پر جب نظر جائے گی تو معلوم ہو گا کہ کسی طور سے بھی ان کی نسبت حضرت عائشہ کی ذات کے ساتھ نہیں ہو سکتی۔ اور ممکن نہیں کہ انہوں نے بلا وجہ اور بلا سبب اپنی زوجیت کے اندرونی تعلقات کا اس طرح افشا کیا ہو اور اگر ہم اسے صحیح تسلیم کریں اور یہ سمجھیں کہ یہ روایتیں کسی طرح بھی غلط نہیں ہو سکتیں۔ بیشک جتنے اقوال کہ مشہور کئے جاتے ہیں یہ سب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہیں تو ہم ان روایات کو صحیح سمجھ کے ہر ایک کی توضیح کریں گے تاکہ عام طور پر یہ معلوم ہو جائے کہ ایک روایت سے کوئی نقص حضور انور یا ام المومنین کی ذات میں نہیں آسکتا۔

جن کے خیالات اس معاملہ میں مذبذب ہیں وہ اور جو ان اقوال پر اعتراض کرتے وہ ذرا توجہ اور غور سے ملاحظہ فرمائیں۔ ہم الزامی جواب دینے پسند نہیں کرتے ہمارے جتنے جواب ہوں گے وہ سب تحقیقی ہوں گے۔ ہمیں مطلب کیا کہ دوسرے مذہب میں فلاں فلاں بدتہذیبی کی باتیں ہیں اور یہ یہ تناقض ہیں۔ جب ہم یہ سمجھ چکے کہ اسلام سے بہتر دنیا میں کوئی مذہب نہیں ہے پھر آگے کی بات کی گنجائش ہی نہیں ہے اگرچہ ہم مانتے ہیں کہ خاص خاص موقعوں پر الزامی جواب دینا لازمی ہو جاتا ہے اور بغیر اس کے چارہ نہیں ہوتا۔ مگر اس موقع پر چنداں الزامی جواب کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم جو کچھ لکھ رہے ہیں اس سے ہماری غرض بابحث مباحثہ میں پڑنے کی نہیں ہے۔ بلکہ ہمارا اصلی مقصد اس غلط فہمی کو مٹانا ہے جو بعض کوتاہ اندیشیوں کی

ادہر ادہر پھر کے حضور انور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چھ یا سات آدمیوں کی ایک چھوٹی سی جماعت

وجہ سے لوگوں کے دلوں میں پیدا ہو گئی ہے اور بعض بد تہذیب ناشایستہ کرسٹانوں نے بات کا بتنگڑا بنا کے ان واقعات پر شرمناکی کا ایسا رنگ چڑھایا کہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ فرضی خداوند کے ماننے والوں اور پولوسیوں کی بھی اس قدر جرأت ہوئی کہ وہ اس دریدہ دہنی سے فخر رسل پر معترض ہونے لگے اور انہیں اپنے آپے کی کچھ خبر نہ رہی کہ بی بی مریم کو یہودی کیا کہتے ہیں۔ ان کے فرضی خداوند کی نسبت یہودیوں کی مذہبی انجمن میں کیا فیصلہ ہو چکا ہے اور ان کے مصنوعی مذہب کی بنا کس ناقابل یقین اصول پر ہے باایں ہمہ ہم ان پر کچھ سب دشتم نہیں کرتے بلکہ دعا کرتے ہیں کہ خدا انہیں راہ ہدایت دکھائے +

اول ۔ حضرت عائشہ کا فرمانا کہ میں پیغمبر خدا کی کل ازواج میں اچھی ہوں کیا برائی پیدا کرتا ہے۔ یہ مانا کہ سب نبی کی بی بیاں تھیں لیکن یہ تو نہیں کہا جاتا کہ اُن بیبیوں کے خیالات قابلیتیں اور دماغی قوت سبھی یکساں تھی۔ چونکہ ایک شخص ہمیشہ کچھ نہ کچھ دوسرے شخص پر فضیلت رکھتا ہے اگر آپ کی ازواج میں ایک کو دوسرے پر فضیلت ہو گئی تو اُس میں عیب کیا نکلتا ہے مگر جو باتیں کہ حضرت بی بی عائشہ سے وجہ فضیلت روایت کی گئی ہیں وہ یہ ہیں۔ اول کوار پنے میں نکاح ہونا۔ اس میں بھی کچھ غلطی نہیں ہے یہ جھوٹ ہے اور نہ کوئی افترا ہے۔ یہ صحیح ہے جب رسول مقبول سے نکاح ہوا ہے تو آپ بن بیاہی تھیں۔ معلوم نہیں کہ ایک خاتون کا قول کہ رنڈاپے میں نکاح ہوا یا کوارپنے میں کیوں لائق سرزنش خیال کیا جاتا ہے اگر لفظ کواری کوئی فحش لفظ ہے تو بی بی مریم کے ساتھ کواری مریم عیسائیوں کی مقدس کتابوں میں کیوں لکھا ہے۔ اور کیوں شب و روز فرضی خداوند کے ماننے والے گرجاؤں میں کواری مریم کا نام جپا کرتے ہیں۔ شب و روز ہر قسم کی گفتگو اور مہذب سے مہذب علم ادب میں کیوں کوارے یا کواری کا لفظ مستعمل ہوا کرتا ہے یہ ساری باتیں محض تعصب کی بنا پر بنائی جاتی ہیں مگر ان کا کذب تو اس قدر عیان ہے کہ معترض خود دل میں سمجھتا ہو گا کہ میں دیدہ و دانستہ جھوٹ بول رہا ہوں +

دوسرا فخر حضرت عائشہ کا یہ ہے کہ میرے والدین مہاجر تھے یہ بھی غلط نہیں ہے نہ اس بیان کرنے میں کسی قسم کی برائی عاید ہو سکتی ہے۔ حضرت بی بی عائشہ کا یہ فخر کرنا انتہا درجہ تعلق اسلام پر دال ہے کہ اُن کے والدین مہاجر ہیں یعنے انہوں نے اپنا وطن اور اپنے رشتہ دار رسول خدا کے لئے چھوڑ دئے تھے شاید ہجرت کرنا

ملی یہ لوگ پردیسی معلوم ہوتے تھے اور مدینہ سے آئے تھے۔ حضور انور فخر دو جہان نے ان سے

عیسائیوں کی نظروں میں اس لئے کھٹکتا ہوگا کہ جب حضرت مسیح پر مصیبت آئی ہے تو ایک بھی نہ دکھائی دیا تھا اور جو شب و روز مسیح کے ساتھ مفت کا مال اڑاتے تھے انہوں نے بھی صورت نہیں دکھائی تھی اس لحاظ سے عیسائیوں نے بھی رفاقت اصحاب پر فخر کرنے کو آیندہ جرم قرار دیدیا اور وہ اس امر کو سخت معیوب سمجھتے ہیں کہ کوئی شخص اپنی وفاداری یا اپنے والدین کی وفاداری پر جو ایک سچے محسن کے ساتھ ہوئی ہو فخر کرتے یا اس کا اظہار کرے اس لئے وہ اس فخر کو جو حضرت بی بی عائشہ اپنے والدین کے مہاجر ہونے کا کرتی ہیں سخت حقارت سے دیکھتے ہیں۔ چونکہ ان کے ذہنی خداوند مسیح کی یہی تعلیم ہی ہے۔ اس لئے وہ بھی قابل معافی ہیں ؛

تیسرا فخر بی بی عائشہ کا یہ بیان ہوا ہے کہ بہتان عظیم مجھ پر اٹھایا گیا تھا خداوند تعالےٰ نے اس کی تردید کر کے آسمان سے آیت اتار دی۔ اس میں شک نہیں کہ اس سے زیادہ اور کیا تقدیس اور بزرگی ہو سکتی ہے کہ آسمان سے کسی کی صداقت کی آیت نازل ہو۔ حضرت بی بی عائشہ پر بہتان قایم ہونے کے واقعہ کی خواہ کچھ ہی اصلیت کیوں نہ ہو اور مفسرین میں اس کی نسبت خواہ کچھ ہی غلط فہمی کیوں نہ پڑ گئی ہو مگر اس وقت ہم اس واقعہ کو ان ہی معمولی معنوں میں مان کے بیان کرتے ہیں جو عام طور پر سمجھ لئے گئے ہیں کہ جب حضرت عائشہ کے قافلہ سے پیچھے رہ جانے پر شبہ ہوا تو حضرت رسول خدا کو بحیثیت اسکے کہ آپ انسان تھے اور انسانی جذبات اور خیالات سے مملو تھے بدگمانی ہوئی اور چند روز تک باہم کشیدگی رہی اس عرصہ میں حضرت بی بی عائشہ سے درخواست کی گئی کہ وہ توبہ کریں اور معافی مانگیں مگر انہوں نے صاف انکار کیا کہ میں بالکل مقدس اور پاک ہوں اور مجھے توبہ کرنے اور معافی مانگنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے یہ مسئلہ صحابہ میں بھی پیش ہوا اور کسی نے کچھ رائے نہ دی کیونکہ یہاں رائے دینے کا کوئی موقع نہ تھا۔ بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت بھی متردد تھے اور کوئی فیصلہ نہیں ہو سکتا تھا۔ رسول کریم کی کشیدگی سے صحابہ اور خود حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کے بزرگ والد حضرت ابوبکر صدیق ناراض تھے مگر حضرت بی بی عائشہ کو کسی کی ناراضی کی مطلق پروا نہ تھی اور وہ ان بدگمانیوں یا شبہات کا جو لوگوں کو ان کی طرف ہو گئے تھے بہت دلیری سے مقابلہ کرتی تھیں اور اپنی تقدیس کا پورا پورا خیال رکھتی تھیں۔ چونکہ وہ حق پر تھیں اس لئے

ل کے سوال کیا "تم کس قبیلہ کے لوگ ہو" انہوں نے جواب دیا ہم قبیلہ خزرج میں سے ہیں۔

وہ تنہا دلیری کے ساتھ اپنی صداقت پر قدم جمائے رہیں یہاں تک کہ آسمان سے ان کی صداقت کی شہادت نازل ہوئی اور تمام ازواج میں فی الحقیقت یہ فخر حضرت بی بی عائشہ ہی کو ملا ہے کہ خداوند تعالےٰ نے ان کے لئے آیت نازل کر کے ان کی تقدیس کی شہادت دی +

کسی کے تہمت لگانے سے یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ تہمت لگانے والے سچے ہیں اور جن پر تہمت لگائی گئی ہے وہ ملزم ہیں حضرت بی بی مریم پر یہودی تہمت لگاتے ہیں۔ اگر محض تہمت لگانا کچھ وزن رکھتا ہے تو حضرت بی بی مریم کی عصمت اور تقدیس کی کچھ شہادت نہیں ہے نہ حضرت مسیح کا ایسا کوئی صریح قول موجود ہے جس سے اس الزام کی تردید ہوتی ہو۔ جو یہودی ان پر قایم کرتے ہیں۔ ہاں قرآن مجید نے حضرت بی بی مریم کی تقدیس کی کچھ شہادت دی ہے اور بس۔ ایک عیسائی معترض یہ لکھتا ہے کہ سوائے قرآن کی ایک آیت کے اور کوئی ثبوت حضرت بی بی عائشہ کی پاک دامنی کا مسلمانوں کے پاس نہیں ہے مگر مشکل یہ ہے کہ حضرت بی بی مریم کی پاک دامنی کی تو ایک بھی شہادت نہیں ہے۔ رہا سوائے قرآنی آیت کے دوسرا ثبوت مسلمانوں کے پاس نہ ہونا یہ کوئی قابل الزام امر نہیں ہے۔ مسلمانوں کے ہاں قرآن مجید کی دو لفظی شہادت ہزار ہا روایتوں اور شہادتوں پر سبقت رکھتی ہے۔ جب قرآن مجید نے شہادت دے دی پھر انہیں دوسرے شاہد کے تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہوئی۔ اور بحیثیت اس کے کہ وہ مسلمان تھے وہ قرآن مجید کے مقابلہ پر دوسرا شاہد تلاش بھی نہ کر سکتے تھے۔ بہرحال اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ حضرت بی بی عائشہ کا فخر قابل اعتراض نہیں ہے۔ بلکہ انہیں جتنا فخر کریں زیبا تھا +

چوتھا فخر یہ ہے کہ جب میں بن بیاہی تھی جبرئیل نے رسول خدا کو میری تصویر دکھا کے کہا تھا کہ اس لڑکی سے نکاح کر۔ اگر ہم اس روایت کو صحیح بھی مان لیں تو ہم نہیں خیال کر سکتے کہ اس میں کیا قباحت ہے اور کیوں حضرت جبریل کا تصویر دکھانا ناجایز گنا جاتا ہے تصویر دکھانے سے یہ مطلب صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ خدا کے حکم سے یہ نکاح ہوا اور اس نکاح میں خاص مصلحتیں اور حکمت عملیاں تھیں جن کا مختصر ذکر ہم اوپر کر آئے ہیں مسلمانوں کے عقیدہ کے مطابق کوئی کام بغیر خدا کے حکم کے نہیں ہوتا

اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ روایت بیان کی تو اس کے لفظی معنے کیوں لئے جاتے ہیں اور مجازی معنی سے کیوں روگردانی کی جاتی ہے۔ ہم کہتے ہیں اگر جبرئیل کے تصویر دکھلانے کے معنی حکم خدا کے لیں تو کیا قباحت لازم آتی ہے۔ چلو یہ بھی نہ سہی اس روایت کے وہی معنے لیتے ہیں جو ظاہر الفاظ سے لئے جاتے ہیں تاہم اس میں اس وقت بھی نکتہ چینی کو کوئی گنجایش نہیں رہتی۔ جیسکہ انجیلوں اور توریت میں تضاد اور دور از قیاس اور فحش باتیں بھری ہوئی ہیں۔ ہم کس بنا پر انہیں تسلیم کرتے ہیں اور اس معمولی روایت پر کیوں ناک بھوں چڑھاتے ہیں۔ حضرت بی بی عائشہ کا یہ فخر بھی فی الحقیقت بجا و درست تھا ✦

پانچواں فخر۔ پیغمبر خدا اور میں ایک برتن میں نہایا کرتے تھے یہ فخر اور کسی بی بی کو حاصل نہیں ہوا۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک برتن میں نہانے کے کیا معنے ہیں۔ اگر یوروپی تہذیب کا مضمون لیں کہ ایک ٹب میں گھر کا گھر نہاتا ہے اسی میں صابون گھلتا ہے اور ایک بار نہانے کے بعد ہی پانی بھرا رہتا ہے اور پھر اسی میں دوسرے دن غوطہ لگایا جاتا ہے اور اخیر وہ پانی سڑ جاتا ہے۔ پھر کہیں بمشکل پھینکا جاتا ہے تو یہ تہذیب عرب میں رائج نہ تھی ہاں یہ تو ہو سکتا ہے کہ ایک برتن سے نہایا جاتا ہو اور یہ کچھ عیب کی بات نہیں ہے ہاں اس شخص کے لئے فخر کی بات ہے جو مسلمان ہوا۔ اور جس برتن سے رسول کریم نے غسل کیا ہو اسی کو وہ استعمال کرتے تو اس سے زیادہ فخر اُسے ہو نہیں سکتا اگر فرض کریں کہ حضرت عائشہ نے ہی ایک برتن میں نہانے کا فخر کیا تو اُن کی یہ اعلےٰ درجہ کی ایمان کی نشانی ہے کہ رسول کریم کی ادنےٰ ادنےٰ ظاہر باتوں کا انہیں کس قدر فخر تھا اور وہ انسے کس درجہ اپنی عزت اور امتیاز کی نشانی سمجھتی تھیں۔ اس پر اعتراض کرنا اور ان باتوں کا مضحکہ اڑانا یہ نہ صرف عقل سے بعید ہے بلکہ عین انسانیت کے خلاف ہے اس قسم کے بیہودہ اعتراضات اپنے ساتھ کچھ وزن نہیں رکھتے بلکہ ان سے معترض کا سفلہ پن پایا جاتا ہے کیا تماشہ کی بات ہے کہ اس انیسویں صدی میں ایک برتن میں نہانا عیب خیال کیا گیا ہے اور اس امر کو منافی ثبوت سمجھا گیا ہے کہ اگر یہ امور صحیح بھی ہوں تو ان سے اتنا نتیجہ نکل سکتا

فرمایا آؤ یہاں تھوڑی دیر کے لئے بیٹھ جاؤ میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں - انہوں نے بہت

کہ عورت و مرد کی اس معاشرت کو کھونے کی تدبیر کی گئی جو مخلوق میں خون کی طرح پیوست ہو گئی تھی اور کسی طرح بھی نہیں نکل سکتی تھی - الحمد للہ کہ رسول کریم کو اس میں کامیابی ہوئی ٭

چھٹا فخر - پیغمبر خدا نماز پڑھتے تھے اور میں آگے بیٹھی رہتی تھی یہ بھی کوئی اعتراض کی بات نہیں ہے شکر ہے کہ یہ بات تو ثابت ہوئی کہ رسول کریم حضرت بی بی عائشہ جیسی چہیتی بی بی .. کے ان بھی آگے خدا کی عبادت میں مشغول ہوتے تھے اور اگر بفرض محال یہ بھی صحیح ہو کہ نماز پڑھتے وقت حضرت عائشہ آگے لیٹی رہتی تھیں - تو یہ بھی اپنی امت کے لئے ایک زبردست تعلیم ہے کہ انسان اپنے جذبات دلی کو بالخصوص اس وقت کہ جب اس کی جوان بی بی آگے لیٹی ہوئی ہو کس طرح مغلوب کر کے خدا کی عبادت کر سکتا ہے - یہاں گویا انسانی قوت اور دلی جذبات پر غالب آنے کی ایک بے نظیر مثال قایم کی ہے جس کی نظیر دنیا میں ملنی ممکن نہیں - اگر ہر بات کو حق سمجھ کے غور کیا جائے گا تو سب میں ایک زبردست تعلیم اور حکمت کا پہلو ضرور ہی ہوگا اگر ہیئے کے پھوئے اس حکمت کو نہ دیکھیں تو یہ قصور حکمت کا نہیں ہے بلکہ دلی بصارت کا نقص ہے سعدی نے بھی بہت ہی درست کہا ہے - ؎

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم ٭ چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ رسول کریم کا کوئی فعل حکمت اور تعلیم سے خالی نہ تھا - آپ کا اٹھنا بیٹھنا سونا - جاگنا - پینا غرض ہر کام میں بالغہ حکمت مضمر تھی - اگر آپ نے پچاس برس کی عمر تک دوسرا نکاح نہیں کیا تو یہ بھی اعلےٰ درجہ کی تعلیم تھی کہ مرد جوانی کی عمر میں اپنی سی بڑی بی بی پر کس طرح قانع رہ سکتا ہے متعدد نکاح کئے ان میں بھی بہت بڑی تعلیم تھی کہ انسان کئی بیبیاں کر کے کس طرح مساوات قایم رکھے اور اسے کیسا برتاؤ کرنا چاہئے ایک اعلےٰ درجہ کے برتاؤ کے یہ معنے ہیں کہ ہر بی بی خوش ہو اور یہ سمجھے کہ مجھ ہی سے زیادہ محبت رکھتے ہیں - یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے اگر حضرت بی بی عائشہ کے فخر نقل کئے گئے ہیں تو ان کے مقابلہ میں کسی اور بی بی کی شکایتیں بھی درج نہیں ہیں کہ فلاں بی بی کو رسول کریم سے یہ شکایت تھی اور وہ اس وجہ سے ناراض رہتی تھیں کہ ایک قسم کا کھانا ایک قسم کا لباس خوشی ہے تو سب کو برابر مصیبت ہے تو مساوی - فاقہ ہے تو سب پر یکساں ہے - اگر ایک بی بی

شوق سے حضور انور کے ارشاد کی تعمیل کی۔کیونکہ حضور انور کا غلغلہ بلند ہو چکا تھا۔ اور

کے حجرہ میں چراغ نہیں ہے تو سب کے حجروں میں اندھیرا ہے۔ یہ مساوات تھی اور یہ اعلےٰ درجہ کی تعلیم تھی جو نہ کبھی زمانہ نے دیکھی اور نہ کبھی کسی قوم میں پھیلی۔ آنحضرت کی اور بیبیاں بڑی عمر کی تھیں بعض جوانی سے ڈھلی ہوئیں اور بعض ادھیڑ بعض بوڑھی مگر حضرت بی بی عائشہ سب میں جوان تھیں۔ اس پر بھی آپ نے یکساں برتاؤ کر کے بتا دیا۔ کہ خاوندوں کو اپنی مختلف العمر بی بیوں کے ساتھ کس طرح مساوات رکھنی چاہیئے۔ اگر آپ بھی مثل حضرت مسیح کے زمینی کنوار یوں کا تذکرہ کرتے رہتے تھے۔ اور دولہا دلہن سے مشابہت دیتے رہتے اور عورتوں کی معاشرت میں کوئی عملی اصلاح نہ کرتے تو کیا کیفیت ہوتی اور عورتوں کی حالت کیسی ناگفتہ بہ ہو جاتی۔ نہ انہیں حقوق ملتے اور نہ اُن کی عزت کی جاتی نہ اُن پر رحم کیا جاتا وہ اسی طرح مردوں کی خواہشوں کی شکار ہوتیں اور اُن کا دادرس ڈھونڈے سے بھی نہ ملتا۔ الحمد للہ کہ اس وقت تک کروڑوں عورتیں ان حقوق سے فیضیاب ہو چکیں اور کروڑوں فیضیاب ہو رہی ہیں۔ یہ اسی معاشرت کا پرتو ہے جس پر نامہذب دریدہ دہن اعتراض کر رہے ہیں۔ ساتواں فخر پیغمبر خدا پر میرے حجرہ میں وحی نازل ہوتی تھی یا آنحضرت نے میرے زانو پر سر رکھ کے وفات پائی۔ یا آنحضرت میرے حجرہ میں مدفون ہوئے وغیرہ وغیرہ۔ وحی کا حضرت بی بی عائشہ کے کمرہ میں آنا بڑی عزت رکھتا ہے جو ہم نے نماز پڑھنے کے بیان میں بتایا ہے۔ حضرت جبرئیل روح القدس وحی لاتے تھے جس سے پایا جاتا ہے کہ آپ کی مبارک زندگی کا ایک لمحہ بھی تعلیم و تلقین سے خالی نہ ہوتا۔ بی بی عائشہ کے حجرہ میں جاکے بجائے اس کے کہ آپ آرام کرتے مگر نہیں وہاں بھی لو اپنے معبود سے لگی رہتی تھی اور فی الحقیقت آپ کا کوئی نفس یاد خدا اور اصلاح بنی نوع سے خالی نہ تھا۔ ایک عیسائی کے اعتراض میں لفظ کبھی کبھی کا موجود ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہمیشہ آپکے حجرہ میں وحی نازل نہ ہوتی تھی اسمیں بھی ایک عجیب بات پائی جاتی ہے اگر ہمیشہ نازل ہوتی تو ایک عادت خیال کی جاتی اور جب کبھی کبھی نازل ہوئی تو اس سے بخوبی یہ سمجھ میں آتا ہے کہ آپ کے دل میں ربانی جذبوں کا ابھار اور آپکے منور قلب پر وحی کا فوارہ اچھلنا کسی خاص تنہائی میں ہو سکتا تھا۔

مدینہ کے اکثر اشخاص آپ کی بابت سن چکے تھے اور لوگ اس بات کے مشتاق تھے کہ

خاص حجرہ ہی پر کیا مقرر ہے وہ مقام اور وہ شخص جس سے جو مقام تعلق رکھتا ہے وحی نازل ہونے پر جتنا فخر کریں بجا ہے اسی طرح وفات کے وقت حضرت بی بی عائشہ کے زانو پر سر رکھنے کے یہ معنی ہیں تاکہ مسلمان سمجھ لیں کہ عورتوں کا پاس و لحاظ آپ کتنا فرماتے تھے اور آپ کو اس کائنات کی ماں سے کس بلا کی محبت تھی بیشک جس طرح بی بی عائشہ کو ان باتوں پر فخر ہے اسی طرح تمام دنیا کے مسلمانوں کو فخر ہے کہ ہمارے رسول کریم نے متعدد نکاح کر کے تعلقات زن و شوئی کی کیسی تصویر کھینچ دی ہے ۔

یہ ساری باتیں جو بیان ہوئی ہیں ان میں سے بہت سی معتبر کتابوں میں نہیں ہیں۔ جن مسلمان مورخوں نے ان روایات کو نقل کیا ہے وہ مسلمانوں کے ہاں قابل اعتبار نہیں ہیں یہ صحیح ہے کہ حضرت بی بی عائشہ سے بکثرت حدیثیں منقول ہیں اور زیادہ تر ان میں سے وہ حدیثیں ہیں جو عورتوں کی رازدارانہ معاشرت سے تعلق رکھتی ہیں۔ مثلاً جب عبداللہ بن عمر نے عورتوں کو سر کھول کے نہانے کا حکم دیا تو حضرت بی بی عائشہ بہت ہی ناراض ہوئیں اور فرمایا کہ عبداللہ یہ کیوں نہیں فتویٰ دیتا کہ عورتیں سر ہی منڈوا لیں اس قسم کی اصلاحیں عورتوں کی خاص معاشرت میں آپ نے بہت سی فرمائی ہیں حضور انور کی اور ازواج پاک سے بھی اور بہت سی حدیثیں بھی منقول ہیں مگر ان حدیثوں کی تعداد سب میں زیادہ بڑھی ہوئی ہے جو آپ نے روایت فرمائی ہیں مگر یہ بات سمجھنے کی ہے کہ ہمارے علما کل ان روایتوں کو تسلیم نہیں کرتے جو حضرت بی بی عائشہ کی طرف منسوب ہیں مثلاً معراج کے بارے میں اس خاتون ام المومنین کا یہ مذہب تھا کہ پیغمبر خدا کو روحانی معراج ہوئی مگر اور علما اس روایت کے خلاف گئے ہیں اور انہوں نے معراج کو بجائے روحانی کے جسمانی مانا ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کچھ ضرور نہیں کہ جو روایتیں آپ کے نام کے ساتھ منسوب کی جاتی ہیں فی الحقیقت وہ سب آپ ہی کی روایت کردہ ہوں۔ جبکہ لاکھوں اقوال کی نسبت رسول کریم کی اطہر و اقدس ذات سے دیدی گئی تو یہ کونسی بڑی بات تھی کہ آپکی ازواج پاک سے ہزاروں روایتوں کی نسبت نہ دیجاتی ہر راوی کا حدیث کے موضوع کرتے وقت فرض تھا کہ وہ کسی بڑے شخص کا نام لے اور اپنے موضوعی قول کو اس کی نسبت دیتا کہ سننے والے اس پر اعتراض نہ کریں اور انہیں اسکے یقین کرنے میں کچھ تامل نہ ہو حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے چونکہ سیاسی معاملات میں بہت بڑا حصہ لیا ہے اسلئے آپکی شہرت

(۱۲۱) تفسیر ماشیہ صفحہ

جس شخص نے مشرکین میں پریشانی و سراسیمگی پیدا کر رکھی ہے اس سے ملیں اور اس کی باتیں سنیں

بہ نسبت اور ازواج پاک کے بہت ہی زیادہ ہو گئی تھی یہی وجہ ہے کہ اکثر اقوال کی آپ کے نام کے ساتھ نسبت دی گئی ہے۔ اکثر آپ پر سے نئے الزام قایم کئے گئے ہیں جسے کہ آپ کو رسول کریم کا پکا دشمن بنا کے دکھایا ہے (معاذ اللہ) وہ اقوال جو سنیوں کی کتابوں میں آپ کے نام سے مرقوم ہیں ان اقوال سے بہت ہی کم درجہ کے ہیں جو شیعوں کی کتابوں میں آپ کے سر چپکے گئے ہیں۔ پھر خوارج کی کتب ہیں ان میں بھی صدہا بلکہ ہزارہا آپ کے اقوال نقل ہیں مگر صداقت کی روشنی بہت ہی کم اقوال پر پڑ سکتی ہے۔ جب سے آپ کو ام المومنین کا فخر حاصل ہوا ہے اور جب تک آپ کی وفات ہوئی ہے۔ الزاموں۔ اتہاموں اور ناسزا طوفانوں کا ایک دریا ہے جو موجیں مار رہا ہے اور ایک انبار ہے جو کتابوں میں بھرا ہوا ہے اس طوفان بے تمیزی سے پہلو بچانا اور اس لا یعنی انبار میں سے صحیح صحیح باتوں کا انتخاب کرنا حقیقت میں بہت بڑا کام رکھتا ہے۔ عیسائی معترضین کو تو ان الزامات کی ہوا بھی نہیں لگی ہے جو اس ام المومنین پر مسلمانوں ہی کے ایک فریق نے قایم کئے ہیں۔ وہ روایتیں کہ خود رسول کریم کے زمانہ میں آپ پر تہمت لگائی گئی ہے اور آپ کا ناقہ قافلہ سے بھٹک کے ذرا پیچھے رہ گیا تھا اور آپ کی تطہیر کی نسبت پھر وحی نازل ہوئی ایک عجیب بے معنی قیاس ہے جسے بلا وجوہات سنیوں کی معتبر کتابوں نے بھی تسلیم کر لیا ہے نہ آپ کبھی قافلہ کے پیچھے رہیں نہ آپ پر رسول کریم کے سامنے کوئی تہمت لگائی گئی نہ آپ کی تطہیر کی نسبت کوئی وحی نازل ہوئی۔ یہ ساری باتیں بعد از اں تراشی گئی ہیں اور انہیں فی الحقیقت صداقت سے کوئی بھی تعلق نہیں ہے۔ ہم ان روایتوں پر جب بالتفصیل بحث کریں گے اور انہیں نقد صداقت کی محک پر رکھ کے پرکھیں گے تو معلوم ہو جائے گا کہ حقیقت سے ان کو کچھ بھی تعلق نہیں ہے اور ساری شرمناک باتیں صرف اس مخالف فریق کی معاندانہ خیالات کا نتیجہ ہیں جو مسلمانوں میں خلیفہ ثالث کے وقت سے پیدا ہو گیا اور اسی نے ان مصنوعی روایات کو اس قدر شہرت دی کہ وہ درجۂ تواتر تک پہنچ گئیں اور عام طور پر سب کو اس کا یقین ہونے لگا۔ اگر قرآن مجید بہت سی روایتوں کی تکذیب نہ کرتا تو اسلام میں اور بھی خرابی پیدا ہو جاتی اور پھر صحیح واقعات کا پتہ بھی مشکل سے مل سکتا۔ حضرت بی بی عائشہ کی مثل اور ازواج پاک کی خانگی زندگی نہ تھی کہ ان کے حالات قلمبند نہ ہوتے اور بہت سی جھوٹی باتیں انکے نام سے مشہور نہ ہوتیں جتنے مشہور

پھر آپ نے دین الٰہی کے اصول کی انہیں تعلیم دی اور آسمانی نبوت کی ضرورت بتائی۔

لوگ ہوئے ہیں بشرطیکہ وہ مذہبی بھی ہوں اُن کے نام سے ہزاروں اقوال ایجاد ہو گئے اور ایسی ہزاروں باتیں موضوع کر لی گئیں جنہیں صداقت سے کوئی سروکار نہیں ہے مثلاً لاکھوں حدیثیں حضور انور رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کے نام سے شہرت پا گئیں اگرچہ بعد ازاں ان کی تحقیق وتدقیق بے انتہا کی گئی لیکن پھر بھی بہت سی روایتیں ایسی باقی رہ گئیں جن کا کسی طرح بھی اعتبار نہیں ہو سکتا۔ ابتدائی سنین ہجری میں خلفا کا باہم جھگڑا نئے گروہوں کا پیدا ہونا اور اُن میں کشش ہونی روایتوں کے موضوع ہونے کی کافی شہادت ہو سکتی ہے ہزاروں اقوال جو حضرت ابوبکر صدیق کے نام سے بیان کئے جاتے ہیں۔ فی الحقیقت اُن کے نہیں ہیں۔ اسی طرح نئے نئے اقوال کو خلیفہ اور امیر المومنین کے نام سے نسبت دی گئی ہے جن سے واقعی انہیں کچھ بھی سروکار نہیں تھا۔ مصنوعی حکایتوں کا طوفان بے تمیزی برپا ہے اور صداقت پر یہ موضوع اقوال مثل ایک جال کے پھیلے ہوئے ہیں ایک محقق کے لئے صداقت کو اس جال میں سے نکال لینا اگر ناممکن نہیں ہے تو مشکل تو ضرور ہے ؁

ان جھوٹی روایتوں کی ایجاد کا باعث دراصل وہ خانہ جنگیاں یا ملکی لڑائیاں ہوئی ہیں جو آغاز سنین ہجری میں بدقسمتی سے مسلمانوں میں پھیل گئی تھیں اور جن کا سلسلہ دراز عرصہ تک رہا اگرچہ زمانہ نے اُن لڑائیوں کا خاتمہ کر دیا ہے مگر جو نتائج کہ ایسی خانہ جنگیوں سے فطرتاً پیدا ہو سکتے ہیں وہ مسلمانوں کو بہمہ وجوہ حاصل ہیں اور صدیوں کا غبار ان کے خون میں ایسا آمیز ہو گیا ہے کہ نسلوں پر نسلیں گزری چلی جاتی ہیں مگر اس اثر میں کچھ کمی نہیں آتی اگرچہ اس زہریلے اختلاف میں بھی اسلام کا معجزہ باقی ہے یعنی سب کلمۂ توحید پڑھتے ہیں محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین مانتے ہیں اور اسلام کے دل سے پیرو ہیں مگر پھر بھی اس خطرناک اختلاف نے نہ صرف اخلاقی حالت پر برا اثر کیا ہے بلکہ دنیاوی معاشرت پر بھی کچھ اچھا اثر نہیں کیا یہ مخالفت جو اس وقت ہو رہی ہے یہ صرف اُن اختلافی روایات کی خرابی ہے جو اسلام کے عظیم گروہوں میں لاکھوں پائی جاتی ہیں ان اختلافی روایتوں نے قرآن مجید کے معنے پر بھی اثر ڈالا ہے اور مجبوراً اسکی آیتوں کو ان ہی جھوٹی روایات کا جامہ پہنایا گیا جو مسلمانوں کو بطور ورثہ پہنچی تھیں اس لئے اکثر تفاسیر میں وہ وہ واقعے بیان ہوئے ہیں کہ جن کا کبھی ظہور نہ ہوا اور نہ ہو سکتا ہے اور نہ اُن کی کچھ

(حاشیہ) [illegible]

اور ارشاد کیا کہ اہل مکہ نے کلام خدا سننے سے انکار کر دیا ہے اور ان کے مظالم کی انتہا

اصل ہے بھلا کہاں شام۔ کجا چین اور کجا ایک درخت کا وجود اور کجا اُس کی شاخوں کا چین جا کے گرنا یہ ایسی باتیں ہیں جن میں محض مشرقی فسانوں کا رنگ پایا جاتا ہے اور کلام الٰہی یا فطرت کی سچائی کو ان بیہودہ باتوں اور خیالی لطیفوں سے کچھ بھی سروکار نہیں ٭

یہی وجہ بہت بڑی ہے کہ ہمیں بہت سی روایتوں کی اگرچہ وہ مشہور ہوتے ہوتے تواتر تک پہنچ گئی ہیں تکذیب کرنی پڑی ہے اور ہم خیال کرتے ہیں کہ ہمارا یہ جدید قسم کا استدلال آئندہ نسلوں کے لئے مفید ثابت ہوگا تاریخوں میں ہزاروں واقعات بھرے پڑے ہیں ہمارا یہ کام نہیں ہے کہ ہم آنکھیں بند کر کے ان واقعات کو تسلیم کر لیں اور یہ تحقیق نہ کریں کہ آیا جو واقعہ بیان ہوا ہے اس کا تطابق بھی اُس زمانہ کی معاشرت سے ہو سکتا ہے اور آیا جس کی نسبت مذکور ہوا ہے اس پر بہتان بھی ہے یا نہیں۔ اور اس کی معاشرت اس کی شان اور اس کی وضع کے کہاں تک مخالف ہے اور کہاں تک موافق ہے۔ اس کا راوی کون ہے آیا وہ سنی ہوئی لکھتا ہے یا چشم دید بیان کرتا ہے اگر سنی ہوئی کہتا ہے تو اس نے کس شخص سے سنا اور آیا جس شخص نے اُس سے بیان کیا ہے اُس نے بھی آنکھوں سے دیکھا ہے یا وہ بھی سنی سنائی کہتا ہے اور اگر لکھنے والا چشم دید واقعات لکھ رہا ہے تو یہ دیکھنا فرض ہے کہ وہ کس کی تائید اور کس کی مخالفت میں ہے اور جو واقعات اُس نے اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں ان سے نتیجہ نکالنے میں تو اس نے دھوکا نہیں کھایا غرض جب ایسی اور ان جیسی بہت سی باتوں کا نہ خیال کر لیا جائیگا کبھی مختلف تواریخوں میں سے خواہ ہمعصر مورخوں کی ہوں یا بعد کی صحیح واقعات کا انتخاب نہیں ہو سکتا۔ کون ہے جو یہ عرق ریزی کر کے واقعات کا انتخاب کرتا ہے اور کون ہے جس نے انصاف سے ایسی جانکاہی کی ہے ٭

ہم نے جو اصول واقعات کے جانچنے کے اوپر لکھے ہیں انشاء اللہ ہم ان پر کاربند ہونے کی کوشش کرینگے اور حتے الامکان انہیں نبھائینگے۔ خدا ہماری مدد کرے اور اُس کا ہاتھ ہمارے ساتھ کام کرے ٭

ہم سب سے پہلے حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کے خطرناک واقعہ کو اپنے اصول مقررہ سے جانچ

ہو چکی ہے اس لئے یہاں رہنا اچھا نہیں معلوم ہوتا میں تم سے دریافت کرتا ہوں کہ اگر میں

کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ یہ کہاں تک صحیح ہے زیادہ غور کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ کوئی ہمعصر شہادت
اس واقعہ کی نہیں ہے کہ آپ کاروان سے پیچھے رہ گئی تھیں اور اس وجہ سے آپ پر کچھ شبہ ہوا تھا اور
اگر فرض کریں کہ اس واقعہ کی کوئی ہمعصر شہادت ہے بھی تو وہ اس وقت قلمبند نہیں ہوئی تھی بلکہ تیری
صدی ہجری کے آغاز میں یہ واقعہ تحریر میں آیا اور جس وقت یہ واقعہ لکھا گیا وہ زمانہ الماموں کی سلطنت
کا تھا جو معتزلی تھا اور اسے اس جیسے واقعہ کے لکھے جانے کی زیادہ پرواہ نہیں تھی۔ اگرچہ یہ تسلیم کرنا پڑیگا
کہ لکھنے والوں نے بہ نسبت کہنے والوں کے محض نیک نیتی سے قلمبند کیا اور اُن کی نیک نیتی اسی سے
عیاں ہے کہ انہوں نے ساتھ ہی آیہ تطہیر کو بھی قلمبند کر دیا کہ جو اس الزام کے غلط ہونے پر آسمان سے
نازل ہوئی تھی پھر بھی وہ انسانی مجبوری کی وجہ سے اُس غلطی سے نہیں بچ سکے جو بحیثیت انسان ہونے
کے لازمی تھی اور اس سے بچنا کسی طرح بھی ممکن نہ تھا۔ یعنے انہیں تحقیق کے سخت مراحل درپیش تھے
اور یہ نسبت ہمارے انہیں صدہا درجہ مشکلات کا سامنا تھا اُن پر سلطنت کا بھی کچھ نہ کچھ دباؤ تھا
انہیں لاکھوں غلط روایتوں میں سے صحیح روایات کا انتخاب کرنا تھا انہیں لوگوں کے خیالات اور
محسوسات کو بھی مدنظر رکھنا تھا۔ انہیں عامۂ خلایق کے اعتقادات پر بھی پوری نظر کرنی تھی اور ان سب
مشکلات پر ایک یہ مشکل اُنہیں درپیش تھی کہ کوئی معیار ابھی تک صحیح اور غیر صحیح روایت کے جانچنے کی اُنکے
پاس نہ تھی۔ پھر بھی جو کچھ اُنہوں نے کیا وہ معمولی انسان کی طاقت سے باہر کیا اور ایسا کیا جس کی زمانہ تا
بقائے اسلام یعنے قیامت تک داد دے گا۔ چونکہ وہ اسلامی اصول کے مطابق نہ تھے اس لئے ممکن ہے
کہ اُن سے کہیں اغلاط رہ گئی ہوں اور وہ انسانی مجبوری کی وجہ سے اس فروگذاشت میں پڑ گئے ہوں
جس میں اگر وہ واقف ہوتے تو کبھی بھی نہ پڑتے +

منجملہ اور واقعات کے جن میں قطعی فروگذاشت ہوئی حضرت صدیقہ بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا
کا واقعہ ہے عقل باور نہیں کرتی کہ جو الزام آپ پر لگایا جاتا ہے وہ نبی اور آپ کی نبوت اور پھر ام المومنین
کی حالت پر چسپاں ہو۔ جب نظر غور سے دیکھا جاتا ہے تو یہ الزام اگرچہ ظاہرا طور پر حضرت بی بی عائشہ
پر لگایا جاتا ہے مگر اصلی ملزم (معاذاللہ) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہی ٹھیرتے ہیں کیونکہ حضرت صدیقہ نے

(۶۷) صحیح بخاری جلد ۲

مدینہ آجاؤں تو تم مجھے مدد دو گے۔ انہوں نے اقرار کیا۔ ان چھ آدمیوں کے نام یہ بھتے

کوئی جرم نہیں کیا تھا۔ کوئی نافرمانی نہیں کی بلکہ اتفاق سے اُن کا اونٹ پیچھے رہ گیا تھا صرف اونٹ کے پیچھے رہ جانے سے کسی کو کیا حق تھا جو آپ کی طرف بدگمانی کرتا اور خیال میں بھی کوئی برا نتیجہ پیدا کرتا۔ جبکہ کسی نے کوئی شکایت نہیں کی تھی کسی نے کوئی عینی شہادت نہیں دی تھی پھر کیوں اور کس وجہ سے ایسا ہوا کہ محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم جیسا جلیل القدر نبی شبہ کرنے لگے اور شبہ بھی ایسا کہ دونوں بات نہ کرے اور سخت متردد رہے کہیں اپنے صحابہ سے مشورہ کرے کہ کیا کروں کہیں بی بی عائشہ کو کہے کہ تم توبہ کرو۔ بس معلوم ہوگیا کہ یہ ساری باتیں گھڑی ہوئی ہیں اور انہیں حقیقت سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے۔ اسی واقعہ کا ایک پہلو اور بھی غور کرنے کے قابل ہے عرب میں مثل ہندوستان کے پردا نہیں تھا۔ اور نہ عرب کی یہ معاشرت کے خلاف تھا کہ کوئی عورت کسی مرد کے ساتھ کسی کام کو کہیں چلی جائے تو اس پر شبہ کیا جائے *

عورتوں کی حالت مثل مردوں کے آزاد تھی خواہ اُن سے برتاؤ کیسا ہی ہوتا تھا مگر وہ مردوں کے پہلو بہ پہلو ہر جنگ میں جاتی تھیں۔ اپنے خاوندوں بھائیوں اور باپ کے علاوہ کنبہ کے اور مردوں کے ساتھ بھی سفر کرتی تھیں مگر بدگمانی کا خیال بھی کسی کے دل میں نہ آتا تھا۔ مثلاً جب مشرکین عرب نے پے درپے مدینہ منورہ پر حملے کئے ہیں تو مشرکین عرب کی عورتیں برابر فوج کے ساتھ آئی تھیں اور دف بجا بجا کے اپنے سپاہیوں کو جنگ کا جوش دے رہی تھیں اور کوئی شبہ کرنے والا نہ تھا۔ حضرت بی بی خدیجۃ الکبرےٰ کا قبل از نکاح نبی معصوم غیر مردوں سے تجارت کے معاملات طے کرنے اور آزادی سے کل کاموں کا انجام دینا اس امر کی شہادت کافی ہے کہ معمولی لین دین اور آمد و رفت میں اُن کے ہاں شبہ کرنے کا کوئی طریقہ نہ تھا۔ ابولہب کی بی بی کا لکڑیاں لینے کے لئے تنہا جنگل میں جانا اور اُسی میں پھنس کے مر جانا عورتوں کی آزادی کے یہ کل واقعات پورے شاہد ہیں۔ اسی طرح حضرت عائشہ پیچھے رہ گئیں اور بہ سبب بھٹک جانے کے کچھ عرصہ تک نہ پہنچ سکیں تو یہ عربوں کی آزادانہ معاشرت اور ملکی رسم کے بموجب اعتراض اور شبہ کی جگہ نہ تھی۔ جبکہ ساری باتیں ایسی بدیہی ہیں پھر کیوں کر سمجھ میں آسکتا ہے کہ معمولی بات پر ایک جلیل القدر پیغمبر شبہ کرتا اور کئی دن تک خود بھی پریشان رہتا اور اپنے

اسعد بن زرارہ - عوف بن حارث بن غفران - رافع بن مالک بن عجلان قطبہ بن عامر بن جدیدہ

صحابہ اور اپنی پیاری بی بی کو بھی پریشان رکھتا۔ ایسے بیہودہ شبہوں کی اسلام میں کوئی بھی وقعت نہیں ہے تمام متواتر تواریخی واقعات جو صحابہ راشدین کے سامنے گذرے اور انہوں نے ایسے امور میں فیصلہ کیا۔ اس کی خاص دلیل ہیں کہ اسلام نے اس قسم کے شبہات کو کبھی وقعت کی نظر سے نہیں دیکھا۔ حضرت فاروق اعظم کے زمانہ خلافت میں ایک عورت پر زنا کا الزام لگایا گیا اور جو شہادتیں برہنہ وغیرہ ہونے کی گزریں اُن سے بظاہر کافی ثبوت وقوع جرم کا ہو سکتا تھا مگر چونکہ کوئی شہادت وقوع فعل کے متعلق نہ تھی آپ نے عورت و مرد کو بری کر دیا۔ اور فی الحقیقت انصاف بھی یہی چاہتا تھا جب یہاں تک معاملات کی چھان بین ہوتی تھی تو بھلا کب خیال میں آسکتا ہے کہ قافلہ سے بھٹک کے پیچھے رہ جانے پر شبہ کیا گیا اور خواہ مخواہ ایک فرضی معاملہ کو اس قدر طول دیا گیا ہو۔ یہ الزام اور اس قسم کے بہت سے الزام محض معاملات سیاسی کی کشش اور خانہ جنگیوں سے بنائے گئے ہیں ورنہ ایسی باتوں کی کوئی وجہ نہیں دکھائی دیتی +

جب حضرت بی بی عایشہ کی سوانح عمری پر ایک گہری نظر ڈالی جائے اور ان الزامات کو بھی قبول کر لیا جائے جو آپ پر قایم کئے گئے ہیں۔ پھر بھی آپ کی غیر معمولی فقیہانہ قابلیت اور انتظامی لیاقت میں کسی کو بھی شبہ نہیں ہے اور یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ صرف آپ ہی کے طفیل سے ہزاروں ایسے مسایل کا کھوج ملتا ہے جو عورتوں کے متعلق ہیں اور ایسے مسایل کا سمجھانا ایک مرد کے لئے کسی طرح بھی ممکن نہ تھا۔ جس طرح دنیاوی معاشرت اور تمدن کے بارے میں مردوں کو اصلاح کی بہت ضرورت تھی اسی طرح عورتوں کو بھی اس کی از حد حاجت تھی۔ اور بغیر اس کے پاکی کے مسایل کبھی سمجھ ہی میں نہ آسکتے تھے۔ جب تک آپ زندہ رہیں آپ نے بہت کچھ مسایل جو رسول کریم سے آپ کو معلوم ہو چکے تھے بیان فرمائے اور ملکی معاملات میں بھی آپ نے پورا حصہ لیا۔ آپ نے ہمیشہ امیر معاویہ کے مقابلے میں حضرت امام حسین شہید کربلا کی بڑی سرگرمی سے تائید فرمائی اور آپ دو بدو امیر معاویہ سے حسنین کے بارے میں لڑی ہیں۔ چنانچہ جب امیر معاویہ مدینہ آئے ہیں اور ایک جلسہ کیا ہے تو وہاں حضرت امام حسین کو بلایا تھا۔ اِدھر اُدھر کی باتیں کر کے اپنے بیٹے یزید کی خلافت کا ذکر چھیڑا اور

عتبہ بن سامرہ بن مالی۔ جابر بن عبداللہ بن ریاب جب یہ لوگ مدینہ واپس چلے آئے تو انہوں نے

حضرت امام حسین سے درخواست کی کہ آپ اس کے ہاتھ پر بیعت کریں آپ نے انکار کیا تو چند شامی سپاہی جو امیر معاویہ کے ہمراہ شام سے آئے تھے۔ اس انکار پر بھڑک اٹھے اور انہوں نے تلواریں نکال لیں امیر معاویہ نے یہ دیکھ کے سپاہیوں کو ڈانٹا کہ خبردار تلوار نہ نکالنا امام حسین فہمیدہ شخص ہیں سوچ سمجھ کے راضی ہو جائیں گے۔ چنانچہ اخیر میں امام حسین نے بیعت کی رضی ظاہر فرمائی۔ اس جلسہ کی خبر فوراً حضرت عائشہ کو ہوئی اور آپ کو یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت امام حسین کی جناب میں شامیوں نے گستاخی کی آپ یہ سن کے مارے غصہ کے کانپ گئیں اور کئی عورتوں کو ساتھ لے کے مسجد نبوی میں آئیں اور امیر معاویہ کو طلب کیا وہ فوراً آئے صورت دیکھتے ہی للکارا اور فوراً تلوار نکال کے کہا میں نے سنا ہے کہ نبی معصوم و بر حق کے نواسے سے اس طرح پیش آیا۔ تو نہیں جانتا کہ میں زندہ ہوں تیری ساری امیری کو خاک میں ملا دوں گی یہ سن کے معاویہ نے باادب عرض کیا اے ام المومنین کسی نے آپ کو غلط خبر دی نہ میں نے حضرت امام حسین کی ایسی گستاخی کی نہ میں کر سکتا تھا بے شک ہوا کہ بعض غیر محتاط شامیوں نے بیعت کے انکار پر تلوار نکال لی تھی اس لئے یہ خبر اڑی ہے حالانکہ میں نے انہیں ڈانٹ دیا۔ حضرت ام المومنین نے فرمایا کہ زبردستی بیعت لینے کا تجھے کوئی حق حاصل نہیں ہے تو جان اگر پھر کوئی ایسی بات ہوئی تو اپنی خیر نہ سمجھیو ٭

یہ تھا فدائیانہ عشق جو آپ اہلبیت سے رکھتی تھیں اور یہ تھی سپاہیانہ روح جو آپ میں اول روز سے ودیعت ہوئی تھی۔ آپ کے پر جلال اقوال اور آپ کے زبردست کلمے ابھی تک موجود ہیں۔ جنگ جمل میں جب بڑا گھمسان کا میدان ہو چکا ہے تو حضرت علی نے آپ کے بھائی کو آپ کے پاس سمجھانے کے لئے بھیجا چنانچہ وہ آئے اور انہوں نے کجاوے پر ہاتھ رکھ کے پاس آ کے کچھ کہنا چاہا تھا آپ چونکہ پردہ میں تشریف رکھتی تھیں اپنے بھائی کی صورت نہیں دیکھ سکیں نہایت دلیری سے بولیں یہ کون ہے جو یہاں تک ہاتھ لے آیا ہے حالانکہ سوائے نبی معصوم کے کسی کا ہاتھ کبھی میری طرف نہیں بڑھا ہے۔ میں تلوار سے اڑاتی ہوں نہیں ہاتھ کو ہٹا لے۔ یہ سن کے آپ کے بھائی نے کہا بہن میں ہوں تم سے علی کا ایک پیغام کہنے آیا ہوں۔ پھر آپ نے پاس بلا کے وہ پیغام سنا۔

اپنے احباب میں حضور انور کی بابت تذکرہ کیا اور اس طرح تمام مدینہ میں شہرت ہوگئی

اللہ اکبر جس خاتون کا یہ دبدبہ اور یہ جلال ہو اس کی نسبت شبہ کرنا اور بلا وجہ اس شبہ کو یقین کا جامہ پہنانا عقل اور انصاف سے کس درجہ بعید ہے ٭

آپ کے آگے آنے والے مختصر سوانح عمری سے پوری کیفیت کھل جائے گی کہ آپ کیا تھیں اور آپ نے اپنی زندگی میں کیا کیا۔ بغیر سوچے سمجھے ایک ایسے واقعہ پر رائے قائم کر دینی جسے تیرہ سو برس گذر چکے ہوں اور پھر اپنی رائے کو صحیح سمجھ کے اُس سے نتیجہ نکال لینا یہ فہمیدہ اشخاص کا کام نہیں ہو سکتا جتنے اعتراضات اسلام کا ایک فریق حضرت بی بی عائشہؓ پر کر چکا ہے وہ ہمارے پیش نظر ہیں اور جتنی نکتہ چینیاں کہ نو پید اعیسائیوں اور آریوں نے کی ہیں انہیں بھی ہم نے نظر انداز نہیں کیا ہے خوب غور کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ تمام اعتراضوں کی بنیاد تقلید۔ ناواقفیت اور موروثی عداوت ہے ورنہ ایک واحد بھی ایسا نہیں معلوم ہوتا جو سچا ہو اور اصول تاریخ سے اس کا ثبوت ہوتا اور صداقت کی محک پر گھسنے کے بعد وہ کھرا اترتا ہو ٭

اسلامی فریق نے اگر کچھ اعتراض کئے تھے تو وہ محض کشیدگی کی بنا پر مگر عیسائیوں اور آریوں کے نو پید اگروہوں نے جو نکتہ چینیاں کی ہیں بلکہ بعض تو تہذیب سے بھی معرا ہو گئے اور انہوں نے وہ گالیاں سنائیں کہ العظمۃ للہ سمجھ میں نہیں آتا کہ ازواج پاک سے انہیں کاہے کی دشمنی پڑ گئی اور انہوں نے ناحق بیٹھے بٹھائے کیوں اپنا نامہ اعمال سیاہ کیا۔ تین میں نہ تیرہ میں مثل لوٹا کے مہنے کے بیچ میں آکو دے۔ ہاں اگر حضرت بی بی مریم کی شان میں گستاخی کی جاتی اور یہودیوں کے اقوال بیان کئے جاتے اور ہندؤں کی دیبیوں پر تبرے بازی ہوتی یا ان سے کوئی سیاسی تعلق رہتا اور مثل جنگ جمل وغیرہ کے کشا جھپنی ہوئی ہوتی تو ایک بات بھی تھی۔ مگر جب ان میں سے کوئی بات نہیں ہے تو پھر محض ذاتی خباثت کے سوا اور کیا خیال کیا جا سکتا ہے خوب سمجھ لیا جائے کہ کوئی مذہب دنیا میں ایسا نہیں ہے جس میں ہزاروں اس قسم کی روایتیں نہ ہوں کہ انہیں ہر شخص اپنے پہلو پر لا کے بہت کچھ اعتراضات نہ کر سکے۔ کسی شخص کی عالم بالا پر پرورش نہیں ہوئی ہے سب اسی دنیا کے رہنے والے ہیں سب کے ساتھ فروگذاشت اور کمزوری لگی ہوئی ہے اور سب کے ساتھ مرتے دم تک ضرورتوں کا سلسلہ ختم نہیں ہوتا پھر کتنی حماقت ہے

(صفحہ ۱۰۷)

جس کا ذکر آگے کیا جائے گا۔ لیکن علی بن ہاشم کی اس معاملہ کی نسبت یہ روایت ہے کہ جب

کہ اپنے گریبان میں منہ تو نہ ڈالا جائے اور دوسروں کو گالیاں دیجائیں ؎

(نتیجہ ناشائستہ الفاظ)

ہمارا شیوہ یہ نہیں ہے کہ ہم ناملائم الفاظ زبان سے نکالیں یا الزامی جواب دینے بیٹھ جائیں۔ بلکہ ہمیں بہت ہی صبر سے اُن گالیوں کو سننا چاہیے۔ اور گالیاں دینے والے کی حالت پر افسوس کرنا چاہیے کہ وہ کس تاریکی میں مبتلا ہے اور اس کی اخلاقی حالت حالانکہ وہ اشرف المخلوقات ہے کس درجہ ستی ہوگئی ہے۔ گالی کا جواب گالی بہت آسان ہے کون گالی دینا نہیں جانتا اور کس کو سیر کا جواب سوا سیر اور اینٹ کا جواب پتھر دینا نہیں آتا مگر اس قسم کے ترکی بترکی جواب دینا کچھ خوبی کی بات نہیں ہے انسان کی عین شرافت یہ ہے کہ وہ ایسے شخصوں کے حق میں رب الافواج کی بارگاہ عالی میں دعا کرے اور کبھی اس قسم کی گالیوں سے آزردہ نہ ہو۔ اور خوب یقین کرے کہ آفتاب کی کرنیں میلا ہاتھ لگانے سے میلی نہیں ہوا کرتیں۔ اگر ایک دریا میں سے چند کتے پانی پی لیں اور چند سور اس میں منہ ڈالیں تو وہ دریا ناپاک نہیں ہو جانے کا جس کی شان میں گستاخی کی گئی ہے

اور جن امہات المومنین کو گالیاں دی گئی ہیں ان کی شان ان گالیوں اور الزاموں سے بہت ہی ارفع ہے ان پر سر جھکنے والے کروڑوں موجود ہیں اور ان کی تعداد روز بروز بڑھتی جاتی ہے ان گالیوں سے اُن کے مرتبہ میں کچھ فرق نہیں آسکتا۔ جب کہ تیرہ سو برس سے گالیاں دی جارہی ہیں اُن کا کچھ نتیجہ نہیں نکلا تو ان نو پیدا عیسائیوں اور آریوں کی گالیوں سے کیا نتیجہ ہوگا سوائے اس کے کہ اخلاق مسیحی اور اخلاق ہنود کا وزن معلوم ہو جائیگا اور بس ؎

ہمارا فرض ہے کہ اس دیرینہ غلط فہمی کو مٹائیں جو اسلام کے دونوں فریقوں میں پڑ گئی ہے بلکہ فریقین اُسے صحیح سمجھ بیٹھے ہیں یہ محض غلط ہے کہ حضور انور رسول کریم کی ازواج پاک میں کچھ کشش بھی یہ محض غلط ہے کہ وہ ایک دوسرے کے تعلق پر رنجیدہ ہوتی تھیں یہ محض غلط ہے کہ آپ نے کوئی رازکی بات اپنی کسی بی بی سے کہی اور اُس نے ظاہر کردی یہ محض غلط ہے کہ آپ نے کسی کو طلاق دینے کا محض بڑھاپے کی وجہ سے ارادہ کیا ہو یہ محض غلط ہے کہ حضرت بی بی عائشہ پر الزام لگا ہو اور آپ کو ان کی نسبت شبہ ہوا ہو یہ محض غلط ہے کہ حضرت بی بی عائشہ حضرت علی سے اپنی قدیمی

اوس اور خزرج میں لڑائی ہوئی اور اوس کا غلبہ رہا تو ماہ رجب میں اسعد بن زرارہ اور

دشمنی کی بنا پر لڑی ہوں اور آپ کو اہل بیت سے کچھ عداوت ہو ان کا اور اس قسم کی اور باتوں کا ہرگز ثبوت نہیں ملتا اگرچہ تاریخوں میں اور فریقین کی معتبر کتابوں میں درج ضرور ہیں مگر اُن کے اختلافات سے صاف پایا جاتا ہے کہ اُن میں صداقت کا مادہ مطلق نہیں ہے اب ہم مختصر طور پر حضرت بی بی عائشہ کے سوانح عمری لکھتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ ہم اُن الزامات کا بھی جواب دیتے جائیں گے جو معترضوں نے آپ پر کئے ہیں ؛

آپ سات سال کی عمر کی تھیں۔ جب آپ کا نکاح حضور انور سے ہوا اور تین سال کے بعد آپ اپنے گھر سے رخصت ہو کے حضور انور کے ہاں چلی آئی تھیں۔ آپ کی زندگی کے واقعات کچھ عجیب و غریب ہیں۔ جو جو کچھ تعلقات آپ کے ساتھ حضور انور کو تھے وہ ایسے بدیہی ہیں کہ اُن سے کسی طرح بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔ جو کچھ آپ کو رسول کریم کے گھر میں تعلیم ملی تھی اُس کا نتیجہ بعد ازاں امت نے دیکھا۔ آپ کی فقیہانہ قابلیت اور عالی دماغی سے کوئی انکار نہیں کر سکتا جو کچھ زندگی تک آپ نے کیا وہ اسلام میں بڑی وقعت کی نظروں سے دیکھا جاتا ہے آپ نے عورتوں کی معاشرت میں ایک بڑی بھاری اصلاح کی اور صحابہ کو بہت سی غلط فہمیوں سے جو عورتوں کے متعلق پڑ گئی تھیں بچا لیا۔ اس میں شبہ نہیں ہو سکتا کہ جو کچھ آپ کو حضور انور کی احادیث پر عبور تھا اور کسی کو کم ہو سکتا ہے آپ کی صداقت و راستبازی کی ادنےٰ شہادت یہ ہے کہ آپ کی روایتیں سب قبول کر لیتے تھے اور کسی کو بھی انکار کرنے کا یارا نہ تھا۔ آپ کی زندگی کے واقعات نے اگرچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت سے نیا رنگ اختیار کر لیا اور اسی سبب سے ایک فریق کی آپ مورد طعن و تشنیع بنیں۔ لیکن حضور انور کی زندگی ہی میں بہت سی باتیں، ایسی پیدا ہو گئی ہیں جنہوں نے ایک سخت غلط فہمی میں لاکھوں مخلوق خدا کو مبتلا کر رکھا ہے اور اسلامی دنیا میں اسی سے ایک عجیب ہل چل پیدا ہو گئی ہے ؛

واقعات جو بیان کئے جاتے ہیں اُن کی بنیاد دراصل کچھ بھی نہیں ہے نہ انہیں نفس صداقت سے کچھ تعلق ہے مگر ان غلط روایات نے ایسا مذہبی جامہ پہن لیا ہے کہ اُن کو دلوں سے نکالنا اگرچہ ناممکن تو نہیں ہے مگر مشکل ضرور ہے ایک طرف تو یہ روایتیں بیان کی ہیں کہ حضرت بی بی عائشہ سے

(۱۲) نقش حیات نبی

اور ذکران بن عبد قیس مکہ میں آئے کہ قریشیوں سے اوس کے خلاف مدد مانگی اور استعداد کی

آنحضرت کو بہت ہی محبت تھی اور دوسری طرف یہ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت بی بی عائشہ آنحضرت کی جانی دشمن تھی لیکن یہ ثابت نہیں کیا گیا کہ دشمنی کے کیا اسباب تھے اور کیوں ایک بی بی جب کہ اُسکا خاوند اُس پر فدا ہو بلا وجہ اور بے سبب دشمنی کرے گی اور اس دشمنی کے متعلق جتنی روایتیں ہیں وہ ایسی مہمل ہیں اور خلاف قیاس ہیں کہ مطلق سمجھ میں نہیں آتیں اور نہیں کھلتا کہ اخیر ان باتوں کا ظہور کیوں ہوا اور کیا ایسی شرمناک امور حضور انور کے سامنے ہو بھی سکتے تھے یا نہیں ✤

ڈھائی پونے تین صدی تک تو باتیں دبی رہیں اور کسی نے کچھ بھی نہ جانا۔ ہاں تیسری صدی کے آغاز میں جب صحیح بخاری کی ترتیب ہوئی ہے تو کچھ سرگوشیاں ہونے لگی تھیں اور کوشش کی جانے لگی تھی کہ اس کے مقابلہ میں ضرور کچھ تصنیف کیا جائے۔ تحریک ہوتی رہی اور اسے پورا پچاس سال کا عرصہ گذر گیا اخیر نصف صدی کے بعد روایتیں بنی شروع ہوئیں اور انہیں زبردستی مخالفت کا جامہ پہنانا شروع کیا مگر سلطنت ایسے خلفا کی تھی جو ایسی صریح غلطیاں شایع ہونی شاید گوارا نہ کرتے اس لئے اُن میں صداقت کا بھی کچھ رنگ دیا گیا اور بعد ازاں صحیح اقوال کی ایسی مٹی خراب ہوئی کہ العظمۃ للہ۔ کہیں مقتضائے وقت بنایا گیا اور کہیں مجبوری کا عذر کیا گیا اور ہوتے ہوتے یہاں تک نوبت پہنچی کہ جتنے اقوال درج کئے گئے ہیں وہ فرضی ہیں یا آئمہ نے ظالموں کے ظلم سے ایسا کہدیا ورنہ ہیں یہ سب غلط۔

ان ہی مذبذب اقوال میں سے بہت سے اقوال حضرت بی بی عائشہ کی نسبت بھی ہیں اور نہایت سختی سے بیان کیا گیا ہے کہ اگر رسول خدا کی کوئی بی بی دشمن تھی تو وہ عائشہ صدیقہ تھیں۔ خیال نہیں ہو سکتا کہ پونے تین صدی کے بعد جبکہ ہزارہا انقلاب ہو چکے ہوں اور سوائے قرآن مجید کے اور کوئی نوشتہ موجود نہ ہو کئی نسلیں بھی اس عرصہ میں گذر گئی ہوں اور پھر راویوں کو جدید اقوال کہاں سے مل گئے۔ اور اُنہوں نے اُن کی صحت کی کیوں کر تصدیق کر لی پھر مسلمانوں کے ایک گروہ کثیر نے کیوں اُن روایتوں سے اختلاف کیا اور کیوں نہیں مجبوراً انہیں تسلیم کرنا پڑا ✤

جہانتک ہمارا خیال ہے یہ مخالفت کا مادہ کبھی نہ ابھرتا اگر حضرت بی بی عائشہ رض کی روایتوں کا انضباط

دوستی چونکہ عتبہ بن ربیعہ سے تھی اس لئے وہ اپنے دوست کے گھر میں اُترا اور اپنے آنے کی

نہ ہوتا چونکہ آپ ملکی معاملات میں بخوبی حصہ لے چکی تھیں اور آپ کا ایک مخالف خلیفہ ثالث ہی کے
وقت سے پیدا ہو گیا تھا اس لئے وہ گروہ ابھی تک موجود تھا جب اُس نے دیکھا کہ احادیث نبوی کا
ایک دفتر منضبط ہو گیا ہے تو اُس نے بھی ایک نئے دفتر کے انضباط کی جرأت کی اور اخیر ایک بہت
بڑی کتاب تصنیف کر کے آیہ پاک کے مبارک نام سے اسے مرتب کیا۔ کیونکہ پہلے دفتر میں آیہ پاک
کے اقوال یا اُن کی روایتیں رہ گئی تھیں اور پھر اُن کی اس بری طرح سے ترتیب دی گئی کہ اگر وہ زندہ
ہوتے تو کبھی بھی پسند نہ کرتے ۔

ہزاروں الزامات ہیں جو ان ہی فرضی روایتوں کے ذریعہ سے حضرت بی بی عائشہ پر لگائے ہیں ۔
مگر اُن الزاموں میں سب سے بڑا الزام یہ ہے کہ آپ نے ایک راز حضور انور پیغمبر کا افشا کر دیا تھا اس سے
آنحضرت کو بہت ہی صدمہ ہوا تھا۔ اور آپ نے تیئس[۲۳] روز اپنی کسی بی بی سے بات چیت تک نہیں کی تھی
اور اس راز کے افشا کرنے کا ذکر قرآن مجید میں بھی بصراحت آگیا ہے اور مفسرین نے اس راز والی آیت
کے عجیب و غریب معنی بیان کئے ہیں۔ جن سے آیت کے نفس مطلب کو کچھ بھی تعلق نہیں ہے ۔ ماریہ قبطیہ
حرم رسول کریم اور حضرت بی بی حفصہ اور حضرت بی بی عائشہ کی ایک روایت بنائی ہے اور وہ حکایت گویا
اُس آیت کی تفسیر بیان کی جاتی ہے ۔

یہ حکایت دیکھ کے عیسائیوں کو ایک موقعہ ہاتھ لگا اُنہوں نے فوراً اُسے رنگ آمیزی کر کے
شائع کر دیا اور از کار توضیحات سے رسول کریم کی شان میں ہزاروں نا ملایم الفاظ کہہ دیئے اور اپنی
بزدلانہ فتح مندی پر خوب ہی بغلیں بجائیں ۔

مسلمان فی الحقیقت اُس آیت ہی کو نہیں سمجھے اور نہ اُنہوں نے اس کے اصلی معنوں پر غور کیا
اور نہ خدا تعالیٰ کی مرضی کی اُس میں جستجو کی۔ کسی نے کچھ اُس کے معنی لکھے اور کسی نے کچھ مگر سب اٹکل پچو تفسیر کی ہے اور محض ایک فرضی قصہ کی بنا پر جو آغاز سنین ہجری سے مشہور چلا آتا تھا۔ سب نے
اسی قصہ کو اس آیت کا شان نزول ٹھیرا کے وہ نئے نئے معنی اُسے پہنائے ہیں کہ جس کا سر نہ پیر اور عجیب
تماشہ کی بات تو یہ ہے کہ ایک ہی قصہ اور اسی میں اختلاف کوئی راوی کچھ بیان کرتا ہے اور کوئی کچھ۔ جب

پوری کیفیت بیان کی۔ عتبہ نے کہا ایک بات تو یہ ہے کہ ہم میں اور تم میں مسافت زیادہ ہے

ایک ہی واقعہ میں اختلاف ہے پھر کیونکر سمجھ میں آسکتا ہے کہ وہ واقعہ سچا ہوگا +

جس آیت پر مفسروں نے مغالطہ کھایا ہے وہ آیت قرآن مجید کی یہ ہے واذ اسر النبی الی بعض ازواجہ حدیثا فلما نبأت بہ و اظھرہ اللہ علیہ عرف بعضہ و اعرض عن بعض فلما نبأھا بہ قالت من انباک ھذا قال نبانی العلیم الخبیر یعنے اس وقت جب پیغمبر نے اپنی بعض ازواج سے کوئی بات خفیہ یا راز دارانہ کہی پس اس عورت نے وہ راز افشا کردیا اور آپ کو خدا تعالی نے اس کی خبر دیدی اور آپ نے اُن میں سے بعض سے اعراض کیا اور پھر آپ سے اس عورت نے پوچھا کہ آپکو کہاں سے خبر ہوئی آپ نے کہا خدائے علیم نے مجھے خبر دی ہے +

اس روایت سے ایک حکایت بنائی گئی ہے اور وہ ایسی ہی لغو ہے کہ جس کا سر نہ پیر خیر ہم اس حکایت کو تو پیچھے نقل کریں گے۔ پہلے ہم اس آیت کو دیکھتے ہیں کہ اس کے کیا معنے ہیں +

اس آیت سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی راز کی بات تھی جو آنحضرت نے اپنی کسی بی بی سے کہی تھی اور وہ اُس نے نہیں چھپائی اور وہ بات دوسری سے ذکر کردی اور بس سوائے اس کے اور کوئی بات نہیں ہے اب رہا یہ کہ وہ راز کیا تھا جو ظاہر کردیا اور وہ ایسا کونسا عظیم امر تھا کہ جس کا ذکر قرآن مجید میں کیا۔ یہ بات فی الحقیقت غور کرنے کی ہے اور بغیر مزید توجہ کے سمجھ میں نہیں آئے گی۔ ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ رسول کریم کو عورتوں کی اصلاح بھی مردوں کے برابر منظور ہی تھی کہ آپ چاہتے تھے کہ جو عیب محض مردوں کی ناقدر دانی سے عورتوں میں آگئے ہیں وہ جاتے رہیں آپ نے ہزاروں صورتیں اُن کی اصلاح کی نکالی تھیں۔ اور خدا وند تعالے کی یہ مرضی ٹھیر چکی تھی کہ خاتم النبیین کے ہاتھ سے عورتوں کی اصلاح ہو +

جن بی بیوں سے آپنے نکاح کیا تھا اور متعدد نکاح سے آپ کی یہ غرض تھی کہ ان ہی کے ذریعہ سے عورتوں کی اصلاح کا سلسلہ جاری ہوگا وہ بی بیاں اسی آب ہوا اور ملک کی رہنے والی تھیں جس میں عورتوں کی نفرت کا زہر ملا ہوا تھا اور بات بھی یہ تھی کہ عورتوں کے ظلم سہتے سہتے اخلاق بھی بہت بگڑ گئے تھے۔ اور یہ فطری قاعدہ ہے کہ جب ابتداء سے کسی پر جا و بیجا زیادہ دباؤ ڈالا جائے گا تو فرد

اگر یہ بات بھی تسلیم نہ کی جائے تو ایک بڑی آفت میں ہم پھنسے ہوئے ہیں اور یہیں ایک مہم عظیم

اس کے اخلاق میں خرابی پیدا ہو جائے گی۔ ان جیسی عورتوں سے تو آپ کو سابقہ پڑا اور آپ نے اُن ہی
کے ذریعہ سے اصلاح کرنی چاہی تو یہ بات اس وقت تک ممکن نہیں ہو سکتی تھی۔ جب تک خود وہ عورتیں
تعلیم یافتہ نہ ہو جاتیں۔ یہ ایک بڑا ضروری امر تھا۔ آپ نے انہیں تعلیم دینی شروع کی اور آپ نے ہر پہلو جسمانی
معاشرت اور روحانی صفات کا انہیں بتایا کہ رازداری کیسی اعلےٰ درجہ کی چیز ہے اور رازداری کے
کس قدر فوائد ہیں۔ شوہر اور زوجہ میں اتحاد قایم ہونے اور بی بی کی وقعت شوہر کی نظروں میں ہونے
کی پہلی سیڑھی رازداری ہے۔ آپ نے ممکن ہے کوئی بات فرمائی ہو اور تاکید کر دی ہو کہ دوسری بی بی
سے ذکر نہ کرنا اور اس نے اپنی عادت مستمرہ کے مطابق ذکر کر دیا ہو اور پھر اُس کے راز کے افشا کرنے
پہ خدا تعالیٰ کی طرف سے اعتراض نازل ہوا کہ ایسا کرنا زیبا نہ تھا۔ یہ گویا ایک زبردست تعلیم تھی جو مستورات
کو دی گئی اور اصل یہ ہے کہ رازداری کی تعلیم سے زیادہ اور کوئی تعلیم ہو بھی نہیں سکتی چونکہ عورتوں کی
معاشرت ابتدا سے بہت ہی کمزور ہو گئی تھی اور اُن کے دل بھی نہایت کمزور تھے اور راز کو افشا کرنے
کا عیب اگرچہ مردوں میں زیادہ ہوتا ہے مگر عورتوں کو سہار نہیں ہوتی اور وہ محض اپنی سادہ لوحی سے
اپنی سہیلیوں سے کہہ دیتی ہیں اور اُس سے فساد کا بہت بڑا اندیشہ ہوتا ہے اس لئے لازم تھا
کہ اس کی بابت تاکید کی جاتی اور جس پیرائے میں بیان کیا گیا ہے سوائے اس کے اور کوئی پیرایہ بہتر بھی
نہ ہو سکتا تھا۔ اگر راز کے افشا کرنے پر امہات المومنین کو فہمایش نہ کی جاتی تو اس راز کا اثر
مومنوں کی مستورات پر نہ پڑتا۔ ہر خاتون اسلام سمجھ لے گی کہ جب راز نہ پوشیدہ رکھنے پر ازواج
پاک پہ یہ خفگی ہوئی تو ہم کس گنتی میں ہیں یہ ایک تازیانہ ہے جو عورتوں کی اس کمزور فطرت پر لگایا گیا ہے
جس سے وہ راز کو نہ چھپا سکتی تھیں اور انہیں ضبط نہ ہو سکتا تھا۔ ظاہر النظروں سے دیکھا جائے
تو یہ ایک معمولی بات معلوم ہوتی ہے۔ مگر غور کرنے کے بعد کھلے گا کہ اس سے بڑا عیب انسان میں
اور نہیں ہو سکتا کہ ایک کا راز دوسرے سے کھول دے اور منع کرنے پر بھی باز نہ آئے
دنیا کے تمام کاموں کا دارومدار محض راز کے پوشیدہ ہونے پر ہے۔ جس کام کا راز چھپا ہوا ہے
وہ برابر چلتا رہے گا اور جہاں راز کھلا پھر اُس کا قیام محال ہو جائے گا۔ چھوٹے کاموں جیسے لیکے

(۸۷) جلد سوم

درپیش ہے۔ جس کی وجہ سے ہم تمہاری مدد نہیں کر سکتے۔ اسعد نے دریافت کیا کہ وہ کیا بات ہے

سلطنت کے عظیم الشان معاملات تک سب میں راز موجود ہے اور گویا ہر کام کی بنا راز ہی پر سمجھنی چاہیئے کل سلطنتیں خواہ چھوٹی ہوں یا بڑی اپنے رازوں کے پوشیدہ ہونے پر زندہ ہیں اگر کسی سلطنت کا راز کھل جائے تو اس کی بنیادیں ہل جائیں اور پھر وہ سنبھالے بھی نہ سنبھلے۔ یہ ایک بہت بڑی تعلیم تھی۔ جو رسول کریم نے اپنی ازواج پاک کے پردے میں عورتوں کو دی۔ اب یہ کھوج لگانا کہ وہ کیا راز تھا عبث ہے۔ اس راز کے دریافت کرنے میں جبکہ ہمارا کوئی دینی یا دنیاوی فائدہ نہیں ہے اور لطف یہ ہے کہ رسول کریم نے بھی بیان نہیں فرمایا پھر کیا ضرور ہے کہ ہم اس میں جد وجہد کریں اور خواہ مخواہ اپنے عزیز وقت کو ضایع کریں۔ اگر فرض کر دیں راز کا کھوج لگ گیا تو کیا فائدہ ہوا نہ کھوج لگا اور ہم نے اپنے قیاس سے خود بخود سمجھ لیا اور وہ نہ ہوا تو ہماری عاقبت خراب ہوئی +

(حاشیہ: ...)

غور کا مقام ہے کہ نبی کریم کے خانگی معاملات کی جس طرز سے تصویر کھینچی گئی ہے وہ انتہا درجہ نازیبا ہے اپنے خانگی حالات کو جب پیغمبر خدا نے خود نہیں بیان فرمایا اور بعد ازاں راویوں نے اپنے اقوال کی صحت جتانے کے لئے ان روایتوں کی جن کے حقیقی راوی وہ خود تھے ازواج پاک سے نسبت دی۔ سمجھنے کی بات ہے۔ جب رسول کریم نے مرد ہو کے زن وشوئی کے تعلقات نہیں بیان کئے تو امہات المؤمنین عورتیں ہو کے کیونکر بیان کرتیں یہ کچھ ضرور نہیں ہے کہ جس امر پر ایک جماعت کا اتفاق ہو وہ ضرور صحیح بھی ہو ہم مانتے ہیں کہ کم وبیش کل محدثوں۔ مفسروں اور مورخوں نے اختلاف کے ساتھ ان روایتوں کو تسلیم کر لیا ہے جو ازواج پاک کی زبان سے بیان کی گئی ہیں مگر ہم کیا کریں جبکہ ان کا اختلاف عظیم خود ان کے سرتاپا غلط ہونے کی شہادت دے رہا ہے۔ مثلاً شیعوں نے جو کچھ حضرت بی بی عائشہ کا حال لکھا ہے اُسے ایک سنی کیوں نہیں مانتا اور جو کچھ شیعوں نے تکلف کیا ہے اُسے کیوں نہیں تسلیم کرتا۔ اور جو کچھ خارجی کہتے ہیں اُسے یہ دونوں فریق کیوں نہیں قبول کرتے اس کا جواب غالباً یہی دیا جائیگا کہ ایک فریق دوسرے فریق کی روایات کو غلط سمجھتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جو ذریعہ ان روایات کا اس نے حاصل کیا ہے وہی سراسر غلط ہے ثبوت ہر فریق کے پاس موجود ہے مگر ایک فریق کا ثبوت دوسرے کے آگے صداقت کی کافی شہادت نہیں ہو سکتا۔ مثلاً شیعہ اس بات کا ثبوت دیتے ہیں کہ حضرت بی بی عائشہ

جس سے تم ایسے خایف نظر آتے ہو۔ عقبہ نے کہا کہ ایک شخص نے ہم ہی میں سے پیغمبری کا

نبی کریم کی دشمن تھیں اور انہوں نے بی بی حفصہ سے مشورہ کر کے کئی بار رسول کو زہر دینے کا قصد کیا مگر موقع نہ ملنے کی وجہ سے اُن کی آرزو دل کی دل ہی میں رہی ✤

سنی اس واقعہ سے محض انکار کرتے ہیں اور ثابت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ کو رسول کریم سے کیسی محبت تھی۔ اور آپ اُن پر کس قدر مہربان تھے یہانتک جب آپ پر مرض کا زور ہوا ہے آپ ہی کے مبارک حجرہ میں آپ کو وصال باری تعالےٰ ہوا۔ اب ایک محقق شخص جب ان دو متضاد روایتوں پر نظر کرے گا تو ان سے کیا نتیجہ نکالے گا۔ اور کس کو صحیح اور کس کو غلط بتائے گا۔ اُسے فی الحقیقت بہت ہی بڑی دقت ہوگی اور جب وہ دونوں کے ثبوتوں کو دیکھے گا۔ تو اُسے اور بھی پریشانی ہوگی کہ اس ثبوت کا کیا مطلب سمجھے اور کیا رائے قایم کرے یہی اسوقت ہماری کیفیت ہوا اور ہم سخت پریشان ہیں کہ ثبوتوں کو کیونکر تسلیم کرلیں۔ ہر فریق نے اپنا دعوےٰ مضبوط کرنے کے لئے خود انہی کی زبانی اقوال بیان کئے ہیں تاکہ سننے والے کو پھر شبہ ہی نہ رہے اور وہ بے چون وچرا یقین کرلے مگر اس قسم کے اقوال زیادہ تر فریقین کی مخالفت سے پیدا ہوگئے ہیں ورنہ اُن کے منضبط ہونے کی کوئی وجہ نہ تھی۔ یہ ہم نہیں کہتے کہ ایسی روایتوں کا دریا برد کردینے کے قابل ہے بلکہ جو ہمارا منشا ہے وہ یہ ہے کہ صحیح اور اصلی اقوال بھی ضرور ہوں گے مگر غلط واقعات اور صریح اتہامات بہت ہیں جسے عقل کبھی گوارا نہیں کرتی اور ہرگز خیال نہیں آتا۔ کہ کبھی ایسا ہوا ہو اور ایک جلیل القدر نبی ایسا فعل کرے جو محض معمولی آدمی کی وضع کے خلاف ہو مثلاً اسی اوپر والی بحث کے متعلق کہ حضرت بی بی عائشہ نے حضرت رسول کریم کا راز افشا کر دیا تھا۔ اس کی نسبت مجمع البیان طبری میں جو شیعی گروہ کی بڑی معتبر قرآنی تفسیر ہے یہ لکھا ہوا ہے۔ لو قیل ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قسم الایام بین النساء فلما کان یوم حفصۃ قالت یارسول اللہ ان لی الیٰ ابی حاجۃ فاذن لی ان ازورہ فاذن لھا فلما خرجت ارسل رسول اللہ صلے اللہ علیہ والہ وسلم الیٰ جاریۃ ماریۃ القبطیۃ ام ابراھیم وقد کان اھداھا المقوس فادخلھا بیت حفصۃ فوقع علیھا فاتت حفصۃ فوجدت الباب مغلقاً فجلست عند الباب فخرج رسول اللہ

دعویٰ کیا ہے وہ علانیہ ہماری قوم کے عقلا کو بیوقوف بتاتا ہے اور ہمارے معبودوں کو

صلے اللہ علیہ و آلہ و سلم و وجہہ یتطرعرق فقالت حفصۃ یا رسول اللہ من اجل ھذا اخرجتنی امتک بیتی ثم وقعت علیھا فی یومی و علی فراشی ما رایت فی حرمۃ و حقا فقال صلے اللہ علیہ و آلہ و سلم الیس ھی جاریتی قد احل اللہ ذالک لی اسکتی و ھی حرام علی التمس بذالک رضاک و لا تخبری بذالک امراۃ منھن و ھو عندک امانۃ فلما خرج رسول اللہ صلے اللہ و سلم قرعت حفصۃ الجدار الذی بینھا و بین عائشۃ فقالت الا ابشرک ان رسول صلے اللہ علیہ و سلم قد حرم علیہ امتہ ماریتہ و قد اراحنا اللہ منھا و اخبرت عائشۃ بما رات و کانتا متصافیتین متظاہرتین علی سائر ازواجہ فنزلت یاایھا النبی لم تحرم ما احل اللہ لک۔ فاعتزل نساءہ تسعۃ عشرین یوما و قعد فی مشربۃ ام ابراھیم ماریتہ حتے نزلت آیہ التخییر و قیل ان النبی صلے اللہ علیہ و آلہ و سلم خلا یوم عائشۃ مع ماریۃ القبطیۃ فوقفت حفصۃ علی ذالک فقال لھا رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ و سلم لا تعلمی عائشۃ بذالک و حرم ماریۃ علی نفسہ فاعلمت حفصۃ عائشۃ واسکتتھا ایاہ فاطلع اللہ نبیہ علی ذالک بھو قولہ تعالیٰ و اذ اسر النبی الی بعض ازواجہ حدیثا یعنے حفصۃ و لما حرم ماریۃ القبطیۃ اخبر حفصۃ انہ یملک من بعدہ ابو بکر و عمر فعرفھا بعض ما افشت من الخبر و اعرض عن بعض ان ابا بکر و عمر یملکان بعدی و قریب من ذالک ما رواہ العیاشی بالاسناد عن عبد اللہ بن عطاء المکی عن ابی جعفر علیہ السلام الا انہ زاد فی ذالک ان کل واحد منھما حدثت ابا ھا بذالک فعاتبھا فی امر ماریۃ و ما افشتا علیہ من ذالک و اعرض ان یعاتبھما فی الامر الآخر انتھیٰ یعنے کہتے ہیں کہ رسول کریم نے اپنی راتیں اپنی بی بیوں میں تقسیم کر رکھی تھیں۔ جس دن حضرت بی بی حفصہ کی باری تھی انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے اپنے والد سے کچھ کام ہے اگر حضور انور حکم فرمائیں تو میں ہو آؤں آپ نے اجازت دیدی جب بی بی حفصہ باہر چلی گئیں تو رسول کریم نے اپنی کنیز ماریہ قبطیہ کو جو ابراہیم کی ماں تھی اور جسے مقوقس نے ہدیۃً بھیجا تھا بلوایا۔ وا

(مجمع البیان)

برا بھلا کہتا ہے اور ہمارے نوجوانوں کے عقاید کو برباد کر رہا ہے۔ سعد نے پوچھا کہ اس

آئی اور آپ نے اُس سے مقاربت کی۔ پھر حفصہ آ گئیں تو اُنہوں نے دروازہ کو بند دیکھا وہ دروازہ سے لگ کے بیٹھ گئیں پھر حضور انور باہر تشریف لائے آپ کے مبارک چہرے سے پسینہ ٹپک رہا تھا حفصہ نے دیکھتے ہی کہا کہ میرے حجرہ میں تو نے لونڈی سے ایسا فعل کیا اور میرے ہی بستر پر اور تو نے نہ میری حرمت کی اور نہ میرے حق کی طرف خیال رکھا۔ حضور انور نے ارشاد کیا حفصہ تو جانتی ہے کہ خدا تعالیٰ نے میرے لئے حلال کی ہے مگر تو خاموش رہ کہ میں اسے آیندہ کے لئے اپنے اوپر حرام کر لیتا ہوں۔ میں صرف تیری رضامندی چاہتا ہوں تو اور بی بیوں سے اسکی خبر نہ کیجو یہ بات تیرے پاس امانت ہے +

جب حضور انور رسول کریم باہر تشریف لائے تو بی بی حفصہ نے حضرت بی بی عائشہ کی دیوار میں ایک سوراخ (یہ دیوار بی بی عائشہ اور بی بی حفصہ کے حجروں کے بیچ میں تھی) کر کے کہا کہ میں تجھے ایک خوشخبری سناتی ہوں وہ یہ ہے کہ رسول اللہ نے اپنی کنیز ماریہ قبطیہ کو اپنے اوپر آیندہ سے حرام کر لیا ہے خدا نے ہمیں اسکے فکر سے نجات دی۔ اسکے علاوہ جو کچھ دیکھا تھا اسکی اطلاع بھی بی بی عائشہ کو دیدی۔ یہ دونوں رسول کریم کی کل ازواج کے مقابل میں باہم بڑی دوست تھیں اور ان میں اتفاق بھی زیادہ تھا۔ پھر آیت نازل ہوئی۔ اے نبی جو چیز خدا نے تجھ پر حلال کر دی ہے وہ تو نے اپنے اوپر حرام کیوں کر دی۔ اس آیت کے نازل ہونے پر آنحضرت نے ۲۹ دن اپنی بی بیوں سے صحبت ترک کر دی اور ماریہ قبطیہ ابراہیم کی ماں کے بالا خانہ پر رہے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم حضرت بی بی عائشہ کے حجرہ میں ماریہ قبطیہ سے مقاربت فرما رہے تھے کہ بی بی حفصہ نے دیکھ لیا آنحضرت نے منع فرمایا کہ عائشہ سے اسکا تذکرہ نہ کیجو میں نے ماریہ کو اپنے اوپر حرام کر لیا ہے۔ لیکن بی بی حفصہ نے کہدیا اور بی بی عائشہ سے تاکید کر دی دیکھو یہ بات کھلنے نہ پائے مگر خدائے تعالیٰ نے رسول کریم کو اس پر مطلع کر دیا۔ پھر یہ آیت نازل ہوئی و اذا اسر النبی الی بعض ازواجہ حدیثا۔ یعنی حفصہ۔ اور جب ماریہ قبطیہ کو اپنے اوپر حرام کیا تو حفصہ کو اطلاع دی کہ میرے بعد ابوبکر و عمر خلیفہ ہوں گے۔ بعض نے اس سے اعراض کیا ہے لیکن صحیح یہ ہے جو عیاشی نے باسناد عبداللہ بن عطا المکی ابی جعفر سے روایت کیا ہے کہ دونوں بی بیوں نے اپنے اپنے باپ کو خلافت کی خبر دی

دعوے کرنے والے کا نام کیا ہے۔ عتبہ نے جواب دیا۔ محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب

اور جوں ہی رسول کریم کو اس کی خبر ہوئی تو آپ نے دونوں پر عتاب فرمایا (ماریہ قبطیہ کے معاملہ میں) چونکہ انہوں نے رسول کریم کا راز افشا کر دیا تھا۔ اس سے آپ نے اعراض کیا۔ وغیرہ وغیرہ یہ روایت ہے جو بیان کی گئی ہے اور یہ واقعہ ہے جو رسول کریم کے سر چپکا۔ اب ہم اس روایت کی اصلیت پر نظر کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ اس روایت میں صداقت کہاں تک ہے۔ سرسری توجہ کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ روایت میں جو واقعے نقل ہوئے ہیں وہ کسی صورت سے بھی قرین قیاس نہیں معلوم ہوتے۔ مثلاً پہلی روایت میں تو یہ بیان ہوا ہے کہ رسول کریم بی بی حفصہ کے حجرہ میں آئے کیونکہ اس دن ان کی باری تھی۔ پھر بی بی حفصہ نے کہا کہ مجھے کچھ کام ہے میں اپنے باپ کے پاس جاتی ہوں۔ خیال نہیں ہو سکتا کہ خاص اسی دن انہیں کوئی کام نکلا ہو کیونکہ نویں یا دسویں دن آن کی باری آئی تھی۔ اس صورت میں ممکن نہیں معلوم ہوتا کہ وہ اپنی باری کے روز چلی جاتیں جبکہ اور دن انہیں ملنے ملانے کے کافی طور پر مل سکتے تھے نہ اس روایت میں یہ بیان ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو آدمی بھیج کے بلایا ہو تاکہ سمجھا جائے کہ کوئی ضرورت نکل آئی ہوگی۔ اس لئے خاص باری کے دن جانا ضرور ہوا اچھا اسے بھی تسلیم کرتے ہیں کہ آپ تشریف لے گئیں تو پھر یہ خیال نہیں ہو سکتا کہ رسول کریم نے ماریہ قبطیہ کو وہاں کیوں بلا لیا جبکہ ماریہ قبطیہ کا مکان علیحدہ رہنے کا تھا آپ وہاں جا سکتے تھے اور وہ بہت ہی قریب تھا کچھ فاصلہ پر بھی نہ تھا کہ وہاں جانا دشوار ہوتا اور اگر یہ بھی فرض کریں کہ آپ نے اسے بلایا اور آپ نے اس کے ساتھ مقاربت بھی کی اور بی بی حفصہ نے دیکھ بھی اور آپ خفا بھی ہوئیں تو رسول اللہ نے اس قدر خوف کیوں کھایا اور اچھا یہ بھی فرض کرو کہ آپ کا خوف کھانا لازمی تھا تو پھر اس ارشاد کی کیا ضرورت تھی کہ میں نے آج سے اسے اپنے اوپر حرام کر لیا ہے تو عائشہ سے اس کا ذکر نہ کیجو۔ حضرت بی بی عائشہ سے اس امر کو چھپانے کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی جبکہ نہ ان کے حجرہ میں ایسا فعل ہوا اور نہ ان کی باری کے روز ایسا ہوا۔ پھر ان سے اندیشہ کرنا کیا معنی رکھتا تھا یہ اسقدر بے معنی استدلال ہے کہ سمجھ میں نہیں آتا۔ اور خیال ہو سکتا ہے کہ ایسی روایت کا موضوع کرنے والا کس قدر عقلمند اور فہمیدہ شخص ہوگا

وہ ہماری قوم میں شریف ترین ہے۔ آسعد نے دریافت کیا کہ رسالت پناہی کا مکان

اور اگر ہم یہ بھی تسلیم کرلیں کہ آپ کو حضرت بی بی عائشہ سے کوئی اندیشہ تھا اس لئے آپ نے منع فرمایا تھا تب بھی اس میں کوئی اندیشہ کی بات نہیں معلوم ہوتی یہ تو کل ازواج اور بالخصوص حضرت بی بی عائشہ کے لئے نہایت خوشی کا موقع تھا کہ ماریہ قبطیہ کو جس پر ابراہیم کے پیدا ہونے کی وجہ سے رسول اللہ کی زیادہ توجہ بیان کی جاتی ہے آج نبی نے اپنے اوپر حرام کر لیا۔ دوسرے الفاظ میں اُسے چھوڑ دیا۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسی روایت کے چھپانے سے کیا فایدہ تھا اور کیوں اندیشہ کیا گیا۔ اور پھر آگے قرآن مجید کی آیت لکھی گئی ہے جس کا یہ مضمون ہے کہ جس چیز کو ہم نے تجھ پر حلال کر دیا ہے تو اُسے اپنے اُوپر کیوں حرام کرتا ہے اور اس آیت کے نازل ہونے یا رازدانی آیت کے اُترنے سے آپ ناراض ہو گئے اور ۲۹ روز آپ نے کل ازواج کی یا اُن دو بی بیوں کی صورت نہیں دیکھی اور ماریہ قبطیہ کے برآمدہ یا بالاخانہ میں سکونت پذیر رہے یہ بھی عجیب متضاد مضمون ہے جس کا سر نہ پیر پہلے تو آپ کو اس قدر خوف زدہ بنایا کہ جس کی انتہا نہیں یعنے آپ کو یہ خوف ہوا کہ اپنی حرم اپنے اوپر حرام بھی کر لی اور زیادہ خوف طاری ہوا تو یہ وعدہ کر لیا کہ میرے بعد ابوبکرؓ و عمرؓ خلیفہ ہوں گے اور دلیری ہوئی تو اس قدر کہ ۲۹ دن ماریہ قبطیہ کے بالاخانہ میں رہے اور کسی دوسرے سے بات بھی نہ کی اور پھر کسی بی بی کا زہرہ نہ ہوا کہ ایک بات بھی منہہ سے نکالتی۔ اور ذرا بھی زبان ہلاتی۔ خیال ہو سکتا ہے کہ جب رسول کریم کی جراءت کی یہ کیفیت کہ آپ کسی بی بی کی پرواہ نہ کرتے تھے اور ایک ہی کے پاس مہینہ بھر گذارتے تھے پھر آپ کو ضرورت کیا تھی کہ آپ بی بی حفصہ سے خوف کھاتے اور ڈر کے مارے اپنی چاہیتی ماریہ قبطیہ کو اپنے اوپر حرام کر لیتے اور انہیں تسکین دینے اور اپنے سے خوش رکھنے کے لئے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کو قبل از وقت خلافت سونپ دیتے ✤

ایک صورت تو اس روایت کی یہ ہوئی۔ دوسری صورت یہ بیان ہوئی ہے کہ نہیں بی بی

عائشہ کے حجرہ میں ایسا کیا تھا اور بی بی حفصہ نے دیکھ لیا اور آپ نے منع کیا تھا کہ عائشہ سے نہ کہنا اور بی بی حفصہ میں تھیں اور بی بی حفصہ نے رسول کریم کو ماریہ قبطیہ کے ساتھ مشغول پایا

کہاں ہے۔ عقبہ نے سب پتہ بتا دیا مگر یہ ہدایت کر دی کہ تم نہ اس کے پاس جانا نہ بات کرنا

تو یہ فعل اگر اسے جرم قرار دیا جائے بی بی عائشہ کا کیا تو پھر کیا وجہ تھی کہ رسول کریم بی بی حفصہ سے ڈرے اور کیوں اُنکے خوف سے ماریہ قبطیہ کو اپنے اوپر حرام کر لیا اور کیوں خلافت کی بشارت دی جبکہ اُن کا کوئی جرم ہی نہیں کیا تھا۔ پھر خوف کھانے کے کیا معنے تھے۔ سمجھ میں نہیں آتا اور نہ یہ خیال میں آتا ہے کہ بی بی عائشہ حجرہ میں سے نکل کے کہاں گئی تھیں۔ جبکہ اسلام میں پردہ ہو گیا تھا اور قرآن مجید میں صاف آ گیا تھا کہ جب نبی کی ازواج سے باتیں کرو تو دروازہ کے باہر رہو کے اور اگر یہ کہیں کہ وہ بھی اپنے باپ کے گھر گئیں تھیں . . . .

. . . . تو حضرت ابوبکر کا مکان تو مسجد نبوی سے کوئی تین میل کے فاصلہ پر تھا ممکن نہیں معلوم ہوتا کہ حضرت بی بی عائشہ اپنی خاص باری کے دن اپنے باپ کے ہاں چلی گئی ہوں۔ جبکہ وہ ایک ہفتہ میں چاہے جس دن جا سکتی تھیں اور اگر یہ کہیں کہ وہ روز ان کی باری کا نہ تھا اور رسول اللہ یوں ہی چلے آئے تھے تو بھی سمجھ میں نہیں آتا کہ حضرت بی بی عائشہ کا مکان سنگ مرمر کا محل تھا اور ماریہ قبطیہ کا بالاخانہ برا اور رہنے کے قابل نہ تھا۔ اس لئے آپ وہاں تو نہیں رہے اور یہاں ماریہ قبطیہ کو لے کے چلے آئے

ان دو مختلف روایتوں کی یہ توضیح ہے جو ہو سکتی ہے۔ خیال نہیں ہو سکتا کہ شمہ برابر بھی صحیح ہوں۔ جس شخص نے یہ روایتیں موضوع کی ہیں وہ تھا بھی بہت کم عقل کہ اُس نے مذکورۂ بالا توضیحات پر ذرا بھی غور نہ کی حضرت ابی جعفر سے اس روایت کا نسبت دینا زیادہ مشکل نہیں ہے۔ جبکہ خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک سے لاکھوں موضوع حدیثوں کا پتہ لگتا ہے۔ عیاشی ہوں یا کلی یا شامی ہوں یا۔ لی ہوں۔ جس نے یہ روایت نقل کی ہے اُس میں بوئے اسلام مطلق نہ تھی۔ اب یہ دیکھنا کہ مجمع البیان طبری میں یہ روایت نقل کی ہوئی ہے۔ کیونکہ وہ شیعی مذہب کی ایک معتبر تفسیر ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان روایتوں میں وہی مخالفت کی بو آتی ہے جو ابتدائے سنین ہجری میں بد قسمتی سے مسلمانوں کے دو گروہوں میں پیدا ہو گئی تھی۔ اور جس کا سلسلہ ابھی تک جاری ہے اور اسی مخالفت کا سبب تھا کہ آج اسی قسم کی لاکھوں روایتیں جو کبھی بھی

کیونکہ وہ بہت بڑا جادوگر ہے ایسا نہ ہو کہ تجھے فریب دیدے اسعد نے کہا تھا کچھ ہو ایک بار

صحیح نہیں ہو سکتیں۔ کتابوں میں منضبط ملتی ہیں۔ اول اول مخالفت ملکی تھی۔ مگر بعد ازاں یہی مخالفت مذہبی ہو گئی اور اس سے موضوع روایت کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ مخالفوں پر تازہ تازہ بہتان اٹھانا اور انہیں بہ صورت ملزم بنانا بلکہ انہیں شب و روز گالیاں دینا مذہب کا جزو اعظم بن گیا۔ قرآن مجید کی آیتوں کو خاص ایک امر کے لئے مخصوص کرنا اور اپنی موضوع روایت کا مطلب نکالنا یہ تیسری صدی ہجری کے وسط سے شروع ہو گیا تھا ؂

کسی روایت کے ساتھ کوئی سند ایسی بیان کی گئی ہے جسے خواہ مخواہ تسلیم کرنا پڑے اور لطف یہ ہے کہ اکثر روایتیں تمدن عرب کے بھی بالکل خلاف ہیں اور ان میں ایرانی تمدن کا رنگ پایا جاتا ہے۔ کیونکہ اکثر راوی ایرانی نژاد ہیں اور کوئی ثبوت اس کا نہیں ہے کہ وہ راوی مسلمان بھی تھے یا نہیں ؂

عقل شہادت نہیں دیتی کہ حضرت ابی جعفر علیہ السلام اپنے نانا کے خانگی تعلقات عام طور پر بیان کریں گے اور انہیں ذرا بھی حجاب نہ آئے گا۔ ایسی روایتوں سے اسلام کا بھی تو کوئی خاص اصول نہیں نکلتا تھا اور نہ کسی خاص الجھے ہوئے مسئلہ کی توضیح ہوتی تھی۔ حضرت ابی جعفر علیہ السلام اس میں شک نہیں کہ اہل بیت کے چراغ تھے اور کاش آپ کی کوئی خاص کتاب یا کوئی نوشتہ ہوتا تو اس کی صداقت میں پھر کسی طرح بھی کلام نہیں ہو سکتا تھا۔ آپ سے دوسروں نے جن میں اکثر ایرانی نژاد تھے۔ اور جو مخالفت سے بالکل متاثر ہو رہے تھے یہ روایتیں بیان کی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب بخاری ؒ نے کئی لاکھ حدیثوں کا انتخاب کیا ہے تو اس نے اہل بیت کی روایتوں پر زیادہ نظر نہیں کی۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ اسے ایسی روایتوں کا ڈھیر ملا جو اہل بیت کی نہ تھیں۔ مگر ان کے نام سے رواج پا گئی تھیں۔ اگرچہ اس وقت تک وہ کسی کتاب کی صورت میں منضبط نہ ہوئی تھیں۔ لیکن ان کی اشاعت فریق مخالف میں پورے طور پر ہو گئی تھی اس نے کوشش تو ضرور کی ہو گی کہ ان صحیح روایات کا پتہ لگے جو واقعی ان کی ہو سکتی ہیں۔ مگر ایک مخالف گروہ کی مخالفت کے طوفان بے تمیزی کے آگے اس کی کوشش

ایسے شخص کو دیکھنا تو چاہیئے۔ عتبہ منع کرتا تھا اور اسعد جانے پر اصرار کرتا تھا۔ آخر زیادہ

ترتیب (۴)

کارگر نہیں ہوئی۔ اور اخیر اس دفتر بے پایاں سے اس نے اپنا پہلو بچایا۔ اور اس الزام کو کہ بخاری نے اہل بیت کی روایتوں سے گریز کی ہے۔ اس نے اپنے اوپر ہمیشہ کے لئے لینا قبول کیا۔ مگر اپنی کتاب میں زیادہ غلطیوں کا انبار لگانا اچھا نہ جانا۔ اسی بنا پر اس نے خاندان بنی امیہ کی روایتوں کو نہیں لیا۔ اور اگر دو ایک روایتیں بیان بھی کی ہیں تو وہ بھی معمولی طور پر کیونکہ بنوامیہ میں بھی وہی کشمش پائی جاتی تھی جو فریق مخالف میں تھی۔ اور یہ بھی بہت بڑی وجہ ہوئی کہ جب بخاری ترتیب دی گئی ہے تو بنوامیہ کا خاندان برباد ہو چکا تھا۔ اور ہو عباس کے عروج سلطنت میں بنی امیہ کا نام لینا بہت بڑا جرم خیال کیا جاتا تھا۔

جب بخاری کی ترتیب ہو چکی ہے تو اس کی پوری نصف صدی بعد ان روایتوں کی ترتیب ہوئی جو مجمع البیان طبرسی اور کلینی وغیرہ کتب میں پائی جاتی ہیں۔ یہ کبھی نہیں کہا جا سکتا کہ جس قدر روایتیں کہ اس یا ان جیسی کتب میں ترتیب ہوئی ہے وہ سب کی سب غلط ہوں نہیں بلکہ ان میں بہت سی روایتیں صحیح بھی ہوں گی۔ مگر کوئی محک ان کے پرکھنے کی ہمارے پاس نہیں ہے۔ اسی طرح سنیوں کی روایتوں کے پرکھنے کا کوئی معیار نہیں ہے تاہم درایت سے ہر ایک روایت کو پرکھا جا سکتا ہے۔ اور جہاں تک ہمارا خیال ہے محقق کو سخت جانکاہی کے بعد بھی کامیابی ضرور ہو سکتی ہے۔ اسماء الرجال کا علم اسقدر ہماری مدد ضرور کر سکتا ہے کہ درایت سے جانچنے میں وہ ہمارا ممد ہے۔ اور ان دقتوں کو دور کرے جو ہمیشہ ایسی حالت میں آ کے حائل ہو جایا کرتی ہیں۔ اور اگر صرف اسماء الرجال پر تکیہ کریں گے۔ تو ہمیں سخت سخت مشکلات کا سامنا ہو گا۔ اور پھر ہمیں اسماء الرجال کے ساتھ تواریخ کا ایک عظیم دفتر ترتیب دینا پڑے گا۔ مثلاً اسماء الرجال نے ایک راوی کے ثقہ یا غیر ثقہ ہونے کی شہادت دی۔ مگر مشکل تو یہ ہے کہ ہمارے پاس اس شخص کے کامل سوانح عمری کہاں ہیں۔ جسے ہم ثقہ اور غیر ثقہ کہتے ہیں۔ نہ اس کے کارنامہ یا ان کی ہمیں خبر ہے اور نہ ہم اس کے حالات سے کماحقہٗ واقف ہیں اور نہ یہ بتا سکتے ہیں کہ وہ جس

قیل و قال کے بعد اسعد نے یہ کہا وہاں میں نہیں جانیکا مگر طواف کعبہ کے لئے ضرور جاؤنگا

بادشاہ کے زمانہ میں تھا۔ معاملات سیاسی کا اس پر کتنا اثر پڑا تھا اور وہ مسلمانوں کے کس گروہ کا مذاق زیادہ رکھتا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ علمائے اسلام کے واقعات زندگی بہت کچھ بیان ہوئے ہیں ابن خلکان نے ایک حد تک اس معاملہ میں پوری کامیابی حاصل کی ہے اور کشف الظنون نے علمائے کی تصانیف کی تحقیق میں بڑی حد تک اسلام کی قابل تعریف خدمت انجام دی ہے مگر پھر بھی راوی کے واقعات زندگی سچی تصویر اتارنے میں ہر مصنف قاصر رہا ہے اور یہی وجہ ہے کہ روایتوں میں اسماء الرجال کے مرتب ہونے کے بعد بھی سخت اختلاف رہا ہے۔ کوئی اصلی معیار روایت کے پرکھنے کی نہ شیعہ نکال سکے نہ سنی اور نہ خارجی نہ معتزلی۔ سب ہی اس میں قاصر رہے اور سب ہی نے اس میں ناکامی اٹھائی۔ اگر واقعی کوئی معیار نکل آتی تو شیعہ سنی کا جھگڑا قطعی اٹھ جاتا اور فروعی اختلافات جنھوں نے اصول کا جامہ پہن لیا ہے۔ بالکل جاتا رہتا۔ اس تحریر سے میری یہ غرض نہیں ہے کہ روایتوں اور حدیثوں کا سارا دفتر ردی اور ناقابل تسلیم ہے بلکہ میرا منشا اصلی یہ ہے کہ کھری کھوٹی روایتوں کی اتنا چھاننے کے بعد بھی آمیزش چلی آتی ہے اور کسی زمانہ میں دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ نہیں ہو سکا ✝

(۹۷) دیکھو ضمیمہ

کسی صحابی کا یہ کہنا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا تھا اور اس طرح منع کیا تھا اور آپ نے یوں فیصلہ کیا تھا اور اس طرح رخصت دی تھی اور اس کے بعد اس کا یہ قول کہ ہم کو یہ حکم دیا گیا تھا اور فلاں امر سے ہم کو منع کیا گیا تھا۔ یا صحابی کا یہ کہنا کہ فلاں مسنون ہے اور جس نے ایسا کیا اس نے ابوالقاسم (یعنے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی اور اس کے بعد اس صحابی کا یہ قول کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے تو اس سے بظاہر اس حکم کا مرفوع ہونا معلوم ہوتا ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس نے علت مدار علیہ حکم کے خیال کرنے میں اپنے اجتہاد کو دخل دیا ہو کہ یہ فرض یا واجب ہے یا مستحب عام ہے یا خاص۔ اور صحابی کا یہ کہنا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ایسا کیا کرتے تھے۔ بطور نص کے ہرگز نہیں تسلیم کیا جا سکتا تھا۔ اگر بطور نص کے بھی تسلیم کیا جائے تو یہ ثبوت نہیں ہو سکتا کہ یہ اس صحابی کا قول ہے کہ جس کے نام سے روایت کیا گیا ہے۔ خیال ہو سکتا ہے کہ ایک ہی روایت

چنانچہ وہ گیا اور پہلے مراسم عمرہ میں مشغول ہوا مگر ایک امر دل میں یہ خیال آیا کہ مجھ سے

میں جب راویوں کا اختلاف ہوا اور وہ تمام راوی ثقاہت ضبط۔ کثرت میں ہم مرتبہ ہوں تو پھر کیونکر ممکن ہوسکتا ہے کہ اس اختلافی روایت کے الفاظ آنحضرت ہی کے ہوں +

عام راوی ہمیشہ روایت میں اصلی معنے کا لحاظ کیا کرتے تھے مگر عربی زبان ایسی وسیع ہے کہ ایک ہی لفظ جب کئی کئی معنی میں استعمال ہوتا ہے اور ایک ہی چیز کی معمولی شکل بدلنے سے دوسرے الفاظ لیکر آتے ہیں تو سمجھ میں نہیں آتا کہ الفاظ کا سب نے ایک ہی مفہوم سمجھا ہو اور پھر اس بیان کردہ مفہوم کو سننے والے نے اُنہی معنے میں لیا ہو جو معنے قائل کے ذہن میں تھے عام طور پر راویوں نے کبھی زوائد اور حواشی کا مطلق خیال نہیں کیا ہے خواہ وہ راوی سنی ہو یا شیعہ خارجی ہوں یا رافضی سب کی ایک ہی کیفیت رہی اور روایت سے کسی نے بھی پہلو بچانے کی کوشش نہیں کی۔ جب یار مسلمہ ہوگیا تو محدثین یا احادیث نبویہ کے جانچنے والوں نے یہ اصول مقرر کیا ہے کہ راویوں میں سے جو راوی ثقہ ہوگا اور اس قصہ اور واقعہ سے خوب واقف ہوگا اُسی کو اختیار کریں اور اگر ثقہ راوی کے قول میں ضبط کا اہتمام بھی زیادہ ہوگا۔ مثلاً وہ کہتا ہے کہ وتب کا لفظ وارد ہوا ہے قام کا اور " افاض حول الدار " آیا ہے۔ نہ اغتسل تو اُسے بھی اختیار کرلیں گے۔ اور اگر حدیث کی روایت میں راویوں نے بہت زیادہ اختلاف کیا ہوگا۔ اور وہ سب رتبہ میں متساوی ہوں گے۔ اور کوئی مرجح نہ ہوگا تو وہ تمام خصوصیتیں خلاف فیہا لغو ہوں گی +

ہم نے روایتوں کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے ہمارا خیال ہے اس سے کوئی فہمیدہ شخص انکار نہیں کرسکتا۔ ہم اصول سے بحث کرتے ہیں اور ہماری بحث میں کہیں کوئی کمزوری یا خیالی بات نہیں ہونے کی۔ جن روایتوں میں صحابہ کا بہت بڑا اختلاف ہے اور جن روایتوں میں کہ راوی باوجود ثقہ ہونے کے مختلف ہیں سمجھ لو کہ وہ روایتیں ہی سرے سے سراسر لغو ہیں اگر حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کے واقعات زندگی دیکھے جائیں تو معلوم ہو کہ صحابہ آپ کا کس قدر ادب کرتے تھے اور صحابہ نے آپ سے کبھی فرائض کے متعلق بھی کوئی مسئلہ بار بار دریافت نہیں کیا۔ سب باادب حاضر ہوتے تھے اور ارشاد نبوی پر کان لگا کے متوجہ ہوجاتے تھے کسی کی مجال نہ تھی کہ رسول اللہ کے خانگی امور کے متعلق کچھ دریافت کرتا

زیادہ کوئی اور احمق نہیں ہو سکتا کہ مکہ میں آؤں اور ایسے بڑے شخص کی صورت کو نہ دیکھوں

اور آپ اُس کا جواب دیتے نہ آپ ایسا کر سکتے تھے کہ اپنے ذاتی اور خانگی حالات بلا سبب صحابہ کے آگے بیان فرماتے نہ وہاں کسی مسئلہ پر بحث تھی اور نہ تکرار تھی اور ایک عجیب سادہ مذہب تھا۔ خدا کو ایک مانو اور محمد کو اس کا برحق نبی جانو روز آخرت پر ایمان رکھو۔ نماز پڑھو زکوٰۃ دو سال بھر میں ایک مہینہ روزے رکھو اور اگر استطاعت ہو تو تمام عمر میں ایک بار حج بیت اللہ کر آؤ اور بس نہ یہ روایتوں کا طوفان تھا اور نہ فقہی مینگ نکلتی تھی اور جس طرح بعد ازاں روایتوں کی کثرت ہوگئی اور فقہا کی بحثوں کے ابواب کھل گئے یہ بات بھی نہ تھی۔ راویوں کی تو یہ کیفیت تھی جو ہم نے اوپر مختصراً کچھ بیان کی۔ فقہا کی سن لیجیے۔ انہوں نے نئی نئی صورتیں فرض کیں اور اُن ہی مفروضہ صورتوں پر گفتگو کی اور جہاں تک ہوا محض اپنی ذاتی رائے سے اُنہیں طول دیا اور وہ وہ باریک مسایل نکالے کہ جو کبھی خیال میں بھی نہ آ سکتے تھے۔ چونکہ انہوں نے اپنی ذاتی رائے کو دخل دیا تھا اس لئے اختلاف بھی اسقدر ہے کہ کوئی انقطاعی فیصلہ کسی بات میں معلوم ہی نہیں ہوتا +

حضور انور کی تعلیم عجیب غریب تھی۔ دو ہی لفظ کہنے کا اثر صحابہ پر اسقدر پڑتا تھا کہ وہ معمولی باتوں کے دریافت کرنے میں حضور انور کو ذرا بھی تکلیف نہ دیتے تھے اور بات بھی یہ تھی کہ اس جلیل القدر شہنشاہ کے سامنے کس کی مجال تھی جو کوئی بات بھی بلا ضرورت اور بے ادبی کی نکال سکتا۔ صحابہ اور رسول کریم کا برتاؤ یہ تھا کہ صحابہ جس طرح وضو کرتے ہوئے دیکھتے تھے۔ اسی طرح آپ بھی کرنے لگتے تھے۔ آنحضرت نے کبھی اس کی تشریح نہیں فرمائی کہ یہ امر رکن ہے۔ اور وہ مستحب ہے۔ اسی طرح حضور انور نماز پڑھتے تھے۔ اور صحابہ جس طرح آپ کو نماز پڑھتے دیکھتے تھے۔ اُسی طرح پڑھنے لگتے تھے۔ حضور انور نے حج کیا اور صحابہ نے بھی اسی طرح اعمال حج ادا کئے۔ کسی کی مجال نہ تھی کہ حضور انور سے سوال کرتا۔ اور رکن و مستحب کی بابت دریافت کرتا نہ خود آنحضرت کو ان مسایل کے سمجھانے کی کوئی ضرورت تھی + یہ ساری باتیں معاشرت سے تعلق رکھتی تھیں اور نفس مذہب سے انہیں کچھ بھی تعلق نہ تھا۔ اگرچہ فقہا نے انہیں کھینچ تان کے مذہبی جامہ پہنا دیا ہے۔ مگر ٹھیٹھ اسلام سے بالکل مبرا ہے اور اس نے ایسی باریکیوں اور بے پیچیدگیوں کو کبھی وقعت کی نظر سے نہیں دیکھا +

جس نے عربوں میں زلزلہ ڈال رکھا ہے اور جنت پر خوف زدہ کانپ رہی ہے ۲۹

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کبھی اس کی تشریح نہیں فرمائی کہ وضو کے فرائض چھ ہیں یا چار ہیں اور یہ
فرض نہیں کیا تھا کہ یہ بھی احتمال ہے کہ کوئی شخص بغیر موالات کے وضو کرے اور اسوقت وضو رہنے یا نہ
رہنے کا حکم کیا جائے الا ماشاء اللہ۔ صحابہ اس قسم کے فضول امور دریافت نہ کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ
بن عباس فرماتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے کسی قوم کو بہتر نہیں پایا انہوں نے
حضور انور سے وفات تک صرف تیرہ مسئلے دریافت کئے جو قرآن میں مذکور ہیں۔ ان مسائل میں سے یہ
کہ تجھ سے ماہ حرام میں لڑنے کا حکم دریافت کرتے ہیں۔ کہدے اس مہینہ میں لڑنا بہت بڑا ہے یسئلونک
عن الشھر الحرام قتال فیہ قل قتال فیہ کبیر ۔ اور تجھ سے حیض کا حال دریافت کرتے ہیں
ویسئلونک عن المحیض

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ صحابہ وہی امور دریافت کرتے تھے جو مفید ہوں۔ حضرت عبداللہ
ابن عمر کا قول ہے وہ امور دریافت نہ کرو جو ابھی ہوئے نہ ہوں اس لئے میں نے حضرت عمر رضی اللہ
عنہ سے سنا ہے کہ خدا اس شخص پر لعنت کرے جو ایسے امور دریافت کرے جو ابھی تک وقوع میں نہ آئے
ہوں۔ قاسم کا قول ہے تم ایسے امور دریافت کرتے ہو جن کو ہم دریافت نہ کرتے تھے اور ہم نے ایسے
امور کی تفتیش نہیں کی۔ تم وہ امور دریافت کرتے ہو جن کو ہم نہیں جانتے کہ وہ کیا ہیں اور اگر ہم انہیں جانتے
تو ان کا چھپانا کسی طرح بھی جائز نہ تھا۔ عمر بن اسحاق سے روایت ہے کہ میں صحابہ رسول اللہ صلے اللہ
علیہ وسلم سے ملا ہوں ان کی تعداد ان سے زیادہ تھی جو مجھ سے پہلے گذر چکے تھے میں نے کسی قوم کو ایسا
نہیں پایا جن کی روش میں آسانی زیادہ اور سختی کم ہو۔ عبادہ بن نسی کندی سے روایت ہے ان سے
اس عورت کا حال دریافت کیا جو ایک قوم کے ساتھ مرگئی تھی اس کا کوئی ولی نہ تھا۔ انہوں نے بیان
کیا کہ میں ایسے لوگوں سے ملا ہوں جو تمہاری طرح سختی نہیں کیا کرتے تھے نہ تمہاری طرح ان مسائل کو
وہ دریافت کرتے تھے۔ (یہ تمام آثار دارمی نے روایت کئے ہیں) دارمی کے ان تمام آثار سے یہ
پتہ چلتا ہے کہ اس ابتدائی زمانہ میں ہی لوگوں میں غیر ضروری باتوں کے دریافت کرنے کا سلسلہ
شروع ہوگیا تھا اور صحابہ راشدین اس مہلک بیماری کو روکنے کے لئے سخت کارروائی کرتے تھے۔

غرض اسعد حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوا - اور رسم جاہلیت کے بموجب اس نے سلام

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایسے شخص پر لعنت کرنا کہ جو وہ امور دریافت کرے جو ابھی وقوع میں نہ آئے ہوں - اُن غلط روایات کی اشاعت پر ایک تازیانہ ہے جنکی سلسلہ جنبانی شروع ہوگئی تھی - سمجھنے کی بات ہے جب خلفا کے وقت میں فضول اور غیر ضروری امور میں جستجو ہونے لگی تھی - پھر بعد میں کیا خیال ہو سکتا ہے کہ کیسی آفت برپا ہوئی ہوگی - جبتک صحابہ زندہ رہے انہوں نے بہت تشدد سے اس قسم کے خیالات کو روکا - اور ہمیشہ ایسے لوگوں کی برائی کی جو غیر ضروری باتیں دریافت کرتے تھے اور خواہ مخواہ فرضی مسایل میں ردوکد ہوتی تھی اور جب صحابہ کی وفات ہوگئی اور کوئی صحابہ زندہ نہیں رہا تو غلط روایات کا طوفان چاروں طرف سے اُٹھا اور وہ مفسد طبایع جو صحابہ کے دباؤ سے رکی ہوئی تھیں یکایک اُٹھ کھڑی ہوئیں اور انہوں نے اپنے قدیم شوق کو پورا کیا پھر کیا تھا لاکھوں حدیثیں بن گئیں اور ہزاروں غلط روایات کی اُن میں آمیزش دے دی گئی ❖

خارجیوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہ اور آپ کے صاحبزادوں کی نسبت ایسی ایسی روایتیں گھڑیں جن کا نمبر شمیر اور وہ طوفان اُٹھائے کہ العظمۃ للہ یہاں تک کہ آپ کی شان اقدس واطہر میں گستاخی اور بے ادبی کرنے کو جزو ایمان قرار دیدیا - اسی طرح ایک دوسرا گروہ پیدا ہوا جس نے اُس فریق کے جواب میں بالکل اصحاب ثلاثہ پر وہ ناملایم الزام لگائے کہ مشرقی فسانوں کو بھی پرے بٹھا دیا جو باتیں عقل و نقل کے خلاف ہوں اور جو ایک سمجھدار بچہ کی بھی سمجھ میں نہ آئیں وہ اُنکے سر چپکی گئیں اور مبالغہ کی انتہا کو یہاں تک پہنچایا کہ اصحابہ ثلاثہ کی وفات کے بعد اُن کی کیفیت بیان کردی اور عالم ارواح کے رازوں کو جنہیں کوئی نہیں کھول سکا ہے اپنی فسانہ پسند طبایع کے زور سے آنکھوں سے دکھا دیا - اگر کاش اسی پر قناعت کی جاتی کہ اُن کی زندگی ہی کے واقعات بیان کیے جاتے اور خواہ کچھ ہی اُن کی نسبت کیوں نہ کہا جاتا مگر بعد از مرگ کی حالت سے بحث نہ ہوتی تو بھی چنداں شکایت کی بات نہ تھی وہاں تو یہ غضب ہوا کہ جب تک وہ زندہ رہے اُن پر سب و شتم رہا اور جب ان کی وفات ہوگئی تو بھی اُن کا پیچھا نہ چھوڑا اور اس بات کا تماشہ دکھایا کہ اُن پر کیا گذر رہی ہے ❖

اگرچہ اصل مطلب سے بہت دور ہٹ گیا ہوں پھر بھی میں نمونتاً ایک حکایت بیان کرتا ہوں - جس سے

نہ کیا۔ حضور انور نے کہا اسلام علیکم اور پھر فرمایا کہ یہ سلام اہل بہشت کا ہے اور مجھی خبر دیگئی ہے

معلوم ہوگا کہ پارسی روایتوں میں مشرقی فسانہ کا رنگ کس قدر ہے اور جن لوگوں نے یہ روایتیں گھڑی ہیں اُن کا دماغ کس قسم کا تھا اور وہ کس فطرت کے تھے۔ حضرت امام باقر علیہ السلام سے روایت کی گئی ہے یعنے آپ فرماتے ہیں کہ میں ایک دن شام کو جو سیر کرنے نکلا تو میرا گزر ایک وادی میں ہوا میں نے دور کی ایک پہاڑی میں دھواں اُٹھتا ہوا دیکھا اور پھر میں نے نالہ و بکا کی آوازیں سنیں۔ جب میں قریب گیا تو میں نے سنا کہ عمر اور ابوبکر پر عذاب تازہ ہو رہا ہے اور یہ آگ ان ہی کے لئے روشن کی گئی ہے اتنے میں میں نے اُنہیں ایک جلتی ہوئی پہاڑی پر کودتے ہوئے دیکھا اُن دونوں نے میری صورت دیکھ کے مجھ سے طلب آمرزش کی۔ میں نے کہا تمہاری سزا یہی ہے تم اسی طرح رہو۔ یہ روایتیں ہیں جو نہایت وثوق سے بیان کی جاتی ہیں اور یہ واقعات ہیں جنہیں مثل کلام خدا کے یقین کیا جاتا ہے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام کا حضرت امام حسین علیہ السلام کے ہاتھ سے کھانے کا طباق چھین لینا اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کا ہر بار حضرت علی کرم اللہ وجہ کے پاس پھیرے کرنا اور بھولے سے وحی محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم کو دیدینا یہ روایتیں ہیں جو بحالت موجودہ تین میں بنائے مذہب سمجھی جاتی ہیں اور اُن کا منکر یا اُن میں شبہ کرنے والا کافر گیا جاتا ہے ؎

روایتوں کا یہ طوفان بے تمیزی تھا جو برپا تھا اور یہ غضب تھا جو اسلامی دنیا میں ہو رہا تھا۔ اس تلخ ترین عداوت پر کب ممکن ہو سکتا ہے کہ جتنی روایتیں پیش کی جاتی ہیں ان میں بمشکل ایک بھی صحیح نکلے۔ ستم ہے کہ ازواج پاک اپنے اُن تعلقات کو بیان کریں جو حضور انور کے ساتھ تھے یا حضور انور اپنے ازواج پاک کے اندرونی تعلقات کا اظہار کریں۔ غلط روایات نے فقہ پر بھی پورا اثر ڈالا۔ کیوں کہ ہر فقیہ اُس وقت کسی مسئلہ میں اپنی طرف سے اجتہاد کرتا تھا۔ جب اُسے کوئی حدیث نہیں ملتی تھی اور جب اُسے کوئی حدیث مل گئی تو پھر وہ اپنی رائے سے دست بردار ہو جاتا تھا۔ مگر دیکھنا یہ ہے کہ حدیث کے صحیح اور اور غیر صحیح ہونے کی پرکھ بالکل اُس کی ذاتی تحقیق اور اُس کے ذاتی فیصلہ پر موقوف تھی۔ ایسی بہت سی حدیثوں کا پتہ لگتا ہے جو باہم فقہا میں مختلف فیہ ہیں یعنے ایک فقیہ ان حدیثوں کو صحیح مانتا ہے اور دوسرا غیر صحیح۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کی تحقیق ہر ایک خیالی ہے اور ایک

کہ اس سے بہتر سلام نہیں ہو سکتا۔ اسعاء نے حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے عرض کیا کہ آپ

مجتہد دوسرے مجتہد کا پابند نہیں ہے۔ اب اگر ان تمام فقہا کی مانی ہوئی حدیثوں کو رسول اللہ کے آگے پیش کرنے کی کوئی صورت نکل آئے تو فی ہزار مشکل سے ایک روایت صحیح نکلے گی۔ قرآن کی سادہ تعلیم خود اس بات کی شاہد ہے کہ یہ روایتیں خود تعلیم الٰہی اور کلام الٰہی کی کیسی متناقض آکے واقع ہوئی ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ہمارے علما محض نیک نیت تھے اور جو کچھ انہوں نے کیا وہ اسلام کو فایدہ پہنچانے کی غرض سے کیا اور ایسا کیا کہ اسلام ہمیشہ ان کا ممنون رہے گا مگر ساتھ ہی انسانی کمزوری اور فروگذاشت کی عادت سے بھی وہ مبرا نہ تھے۔ اور مسلمانوں کا کوئی فریق اپنے علماء کو معصوم نہیں تسلیم کرتا۔ ضرور ان پر ان لاکھوں روایات کا اثر پڑا جو عام طور پر اسلامی ممالک میں رائج تھیں۔ اور اگرچہ انہوں نے نہایت نیک نیتی سے حدیثوں کا انتخاب کیا پھر بھی اس میں کچھ نہ کچھ کسر باقی رہ گئی اور جس کسر کو وہ خود تسلیم کرتے تھے اور بسبب اس کے کہ وہ اسلام کے سچے خیر خواہ تھے انہیں انقطاعی یقین اپنی جمیع احادیث پر نہ تھا ؎

(۱۰۲) [illegible]

حضرت امام مالک علیہ الرحمۃ کی وہ حکایت مشہور ہے کہ جب خلیفہ ہارون الرشید نے آپ سے کہا کہ میں موطا کعبہ کے دروازہ پر لٹکا کے عام حکم دے دیتا ہوں کہ کل مسلمان اسی کو پڑھیں اور اسی پر عمل کریں تو آپ نے محض اس فدائیانہ عشق کی وجہ سے جو آپ اسلام اور بانئے اسلام سے رکھتے تھے۔ یہ منظور نہیں فرمایا اور کہا اے امیر المومنین ایسا نہ کر ممکن ہے کہ لوگوں کے پاس اس سے صحیح زیادہ احادیث پہنچی ہوں اور وہ ان پہ عمل کرتے ہوں۔ مبادا اس کتاب کی اشاعت سے انہیں وہ صحیح احادیث ترک کرنی پڑیں ؎

یہ شان تھی ہمارے علمائے کرام کی اور یہ نیک نیتی تھی جس کی نظیر کسی قوم کے علما میں ملنی ممکن نہیں اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ آپ انقطاعی طور پر یہ نہیں کہہ سکتے تھے کہ یہ رسول اللہ کی حدیث ہے کیونکہ آپ نے خود تو رسول کریم کی زبانی کچھ سنا نہ تھا کہ اس پر یقین ہوتا بلکہ آپ کو راویوں کے ذریعہ سے کچھ پہنچا تھا اس لئے آپ کسی صورت سے بھی کسی ایک حدیث کو قطعی طور پر رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث نہیں کہہ سکتے تھے ؎

کس دین کی دعوت کرتے ہیں حضور نے ارشاد کیا کہ میں تو ہیں کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی

فقہا اسی سبب اس غلطی کر دی کے جو انسان میں روز ازل سے ودیعت ہوئی ہے بہت سے مقامات پر اپنا پہلو ان غلط روایات سے نہیں بچا سکے۔ مثلاً منی کے مسایل میں حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایتیں اور اس کی پاکی اور ناپاکی کے بارے میں آپ کی شہادتیں جو حضرت امام شافعی علیہ الرحمۃ نے نقل کی ہیں کسی طرح بھی پیدا نہیں ہو سکتیں؛ حضرت بی بی عائشہؓ کے زمانہ حیات میں بکثرت صحابہ موجود تھے اور طیل القدر خلفا بھی مدینہ منورہ سے باہر کہیں چلے نہیں گئے تھے پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ کسی خلیفہ اور کسی صحابی نے تو منی کی پاکی اور ناپاکی کے مسائل نہیں بیان کئے اور آپ ہی نے اس کے پاک ہونے کا فیصلہ کیا حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ محمود و مسعود میں قرآن مجید میں ازواج پاک کے پردہ کرنے کا صاف حکم آگیا تھا اور منع کر دیا گیا تھا کہ نہ کوئی صحابی مکان کے اندر چلا آسکے اور نہ کسی بی بی سے بات کرے بلکہ کوئی چیز لینی دینی ہو اگر ہے تو دروازہ کے باہر کھڑے ہو کے دریافت کر لیا کرے جب قرآن مجید میں یہ حکم آچکا تھا تو بعد وصال رسول کریم اس پر پورا عملدرآمد ہونا بھی لازمی تھا۔ اور یہ شک ہوا بھی مگر دیر خیال نہیں ہو سکتا کہ کسی صحابی نے یہ ناپاک مسایل پردہ ہی میں حضرت بی بی عائشہؓ سے دریافت کئے ہوں اور آپ نے اُن کا ایسا جواب دیا ہو جو فقہ کی کتب میں موجود ہے اور وہ جواب ایسا ہے کہ اُسے نقل کرتے بھی شرم آتی ہے۔ یہ صحیح کہ فقہا کو ایسے مسایل کی تنقیح کرنے کی ضرورت پڑی ہوگی۔ لیکن انہوں نے اپنی رائے یا اپنے اجتہاد کو قوی بنانے کے لئے ان غلط مشہور شدہ روایتوں میں سے ایک روایت سند کے پیش کر دی ہو جو فریق مخالف ابتدائے سنین ہجری سے مشہور کرتا چلا آیا تھا اور انہیں اس روایت کو اپنی تائید میں پیش کرنے میں کوئی قباحت نہ معلوم ہوئی ہو۔ یہ ساری باتیں ممکن ہیں اور قطعی اسی طرح سے ہوئیں اور ہماری وجوہات کو دیکھ کے ہر شخص ہماری تائید کرے گا ✣

کسی اعتقادی مسئلہ میں اختلاف ہونا کوئی غیر معمولی بات نہ تھی اور اسی طرح استنباط مسایل میں اختلاف ہونا لازمی تھا مگر حدیثوں کی بنا پر جن فقہی مسایل کا دارومدار ہے اُن میں اختلاف ہونا ضرور اس امر کی دلیل ہے کہ کل روایتوں کو تسلیم کیا گیا تھا ✣

دعوت دیتا ہوں اور یہ حکم کرتا ہوں کہ کسی چیز کو خداوند تعالیٰ کے ساتھ شریک نہ کرو۔

عام طور پہ ایک سخت غلط فہمی چلی آتی ہے اور کم و بیش اسے سب ہی تسلیم کرتے ہیں کہ قرآن مجید سے ۷۲ یا ۷۳ فرقوں کا اسلام میں ظہور ہوا ہے۔ مگر یہ بات ہرگز نہیں ہے۔ قرآن مجید کبھی اختلاف نہیں ڈال سکتا۔ اگر قرآن مجید کی عبادت میں یہ کیفیت ہوتی کہ اُس سے ہزارہا معنی پیدا ہوتے تو سب سے پہلے قرآنی مسائل میں اصحابہ باہم اختلاف کرتے اور کوئی ایک آیت کے کچھ معنی لگاتا اور کوئی کچھ نہیں مگر جہاں تک تواتر سے پایا جاتا ہے خلفاء راشدین کے زمانہ تک قرآن مجید کے سمجھنے میں مطلق اختلاف نہیں تھا اور سب اس کے اصلی معنی سمجھتے تھے مگر جوں جوں روایتوں یا حدیثوں یا آثار کی کثرت ہوئی۔ قرآن مجید کی آیتوں کے معنی میں اختلاف پیدا ہو گیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ کئی فریق ہو گئے اور اُن میں کشیدگی یہاں تک بڑھی کہ ایک دوسرے کو جہنمی کہنے لگا +

کبھی باہم خلفا کی ایسی بحثیں نہیں ہوئیں جس سے یہ معلوم ہو کہ ایک نے قرآن کی آیت کا کچھ مطلب سمجھا اور دوسرے نے کچھ۔ یہ صحیح ہے کہ باہم مسایل میں گفتگو ہوتی تھی اور طرز گفتگو بعض اوقات سخت تیز اور جوش آمیز ہو جاتی تھی مگر خاتمہ کلام پہ پھر باہم وہی شیر و شکر ہو جاتے تھے اور ذرا بھی اُس جوش کا اثر نہیں رہتا تھا۔ قرآن مجید کی بے تعداد تفاسیر لکھی گئیں اور بہت سی تفسیریں اگرچہ عجیب و غریب ہیں اور قرآن مجید کا اعلیٰ مفہوم ثابت کرتی ہیں مگر سب میں کچھ نہ کچھ رنگ اُن روایات کا پایا جاتا ہے اور جو صحیح ہوں یا غلط۔ عام طور مشہور ہو گئی تھیں۔ مگر بعض تفاسیر تو ایسی ہیں جو سراسر اس رنگ میں رنگی گئی ہیں اور بہت فخر سے بیان کیا جاتا ہے کہ فلاں مفسر نے قرآن مجید کی تفسیر احادیث سے کی ہے مثلاً تفسیر ابن کثیر جس کی بنا بالکل احادیث پر ہے اور فاضل مفسر نے اخیر تک حتی الامکان اسی رنگ کو نبھایا ہے اس میں کسی طرح کا بھی شک نہیں ہے کہ ابن کثیر کی تفسیر ایک اعلےٰ درجہ کی تحقیق کا نتیجہ ہے مگر اس بات کا کوئی حلف اُٹھا سکتا ہے کہ جن احادیث سے فاضل مفسر نے تفسیر کی ہے وہ اول سے لیکے اخیر تک سب کی سب صحیح ہیں۔ اسی طرح تفسیر اہل بیت ہر حسین بہت سی روایتیں اور حدیثیں آئمہ معصومین کی زبان مبارک سے بیان ہوتی ہیں مگر کوئی بھی ثابت نہیں کر سکتا کہ آیا آئمہ معصومین کے یہ اقوال ہو بھی سکتے ہیں یا انہیں اور جو حدیثیں ان کی روایت سے بیان کی جاتی ہیں ان کے راوی وہ فی الحقیقت تھے بھی یا نہیں۔ یہ بڑی دقت ہے

اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو اور اپنے بچوں کو قتل نہ کرو پھر حضور انور نے سورہ انعام میں سے

جو ہر تفسیر میں پائی جاتی ہے اور یہی پیچیدگی ہے جس کا سلجھانا بڑا کٹھن کام ہے ✣

ناظر تفسیر مجیدی سمجھ گیا ہوگا کہ قرآن مجید کے مطالب سمجھنے میں جو اختلاف پایا جاتا ہے قرآن مجید کا یہ نقص نہیں ہے بلکہ غلط روایات کی وجہ سے ایسا ہو گیا ہے۔ کاش اختلاف رائے یا اختلاف خیال ہوتا تو اُس کی اصلاح آسان تھی مگر جب حدیث اور روایت کی بنا پر تفسیر کی گئی ہے تو فی الحقیقت اس مشکل کو حل کرنا بہت ہی مشکل امر ہے ✣

ہم کہتے ہیں اگر یہ بات نہیں ہے تو پھر شیعوں سنیوں۔ خوارج اور معتزلیوں کی تفسیروں میں کیوں اختلاف ہے اور کیوں نہیں ایک فریق دوسرے فریق کی تفسیروں کو مانتا۔ وجہ نہ ماننے کی یہی ہے کہ ہر فریق نے قرآن مجید کی تفسیر کرنے میں زیادہ تر روایات کو دخل دیا ہے اور چونکہ ایک فریق سوائے اپنے سلسلوں کے دوسرے کو تسلیم نہیں کرتا اسی لئے اُس کی قرآنی تفسیر کو بھی نہیں مانتا۔ علمائے اسلام نے ایک یہ بھی حدیث بیان فرمائی ہے کہ جو شخص قرآن مجید کی تفسیر اپنی رائے سے کرے وہ جہنمی ہے اس کے معنی سمجھ میں نہیں آتے۔ کاش حضرت صدیق اکبرؓ یا حضرت عمر فاروقؓ یا حضرت عثمان غنیؓ یا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی قرآنی تفسیر ہوتی اور یہ ثابت بھی ہو جاتا کہ چار خلفا میں سے قطعی ایک خلیفہ کی ہے۔ تو پھر زیادہ چون وچرا کی گنجائش نہیں رہتی اور بیشک اُس وقت ہر مفسر جو اُن کے علاوہ قرآن مجید کی اپنی رائے سے کوئی تفسیر لکھتا تو قطعی جہنمی ہوتا کیونکہ خلفا اپنی اپنی تفسیروں میں وہی باتیں درج کرتے جو کہ رسول خدا سے سنی تھیں۔ اور انہیں اور روایات درج کرنے کا خیال بھی نہ آتا اور ایسی حالت میں انکی تفسیر پر جرح وقدح کرنا فی الحقیقت سخت بیہودگی اور سوء ادبی ہوتی اگرچہ کفر تو جب بھی نہ ہوتا۔ مگر جب یہ بات نہیں ہے اور اُن میں سے ایک خلیفہ کی بھی کوئی قرآنی تفسیر موجود نہیں ہے تو پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ کیوں اللہ کسی ہرایک مفسر کی رائے کو جبکہ وہ نہ معصوم ہے نہ محفوظ ہے نہ اُس پر وحی اُترتی ہے زبردستی سے تسلیم کیا جائے اور کیوں ہم ایسے شخص کو بے دین کہیں جو اُن کی مخالفت کرے۔ جب کہ قرآن مجید کے اصلی مطلب کے جانچنے کا ہمارے پاس کوئی پیمانہ نہیں ہے ہم نہیں کہہ سکتے کہ کسی مفسر نے الحمد سے لے کے والناس تک قرآن مجید کا وہی مطلب بیان کیا ہے جو رسول کریم کا اصلی مفہوم تھا ✣

چند آیتیں پڑھیں۔ اسعد نے کلمہ توحید لا الہ الا اللہ پڑھا اور دل سے مسلمان ہو گیا اور

اس بیان سے یہ کبھی نہیں سمجھا جائے کہ ہمارا منشا کل تفسیروں پر نکتہ چینی کرنے کا ہے اور ہم کل مفسرین کو ناکارہ بتاتے ہیں نہیں یہ ہماری غرض ہرگز نہیں ہے بلکہ جو ہمارا منشا ہے وہ یہ ہے کہ اگرچہ مفسروں نے قرآنی دقایق اور نکات کے سمجھانے میں عجیب کمال پیدا کیا ہے تاہم ہر مفسر سے فروگذاشت ضرور ہو گئی ہے کہیں کہیں مروجہ غلط روایات سے متاثر ہو کے اُس نے قرآن مجید کے اصل منشا کے خلاف لکھ دیا ہے اور ایسا ہونا بھی ضرور تھا کیوں مفسر بھی اخیر انسان ہی تھے اور انسان کے ساتھ جو کمزوری اور گذاشت لگی ہوئی ہے اور اس کی کمزور فطرت کی وجہ سے ہے ہر انسان کے ساتھ یہ کمزوری لازم و ملزوم ہے۔ اور کوئی فرد بشر اس کمزوری سے بچا ہوا نہیں ہے۔ ہم خیال کرتے ہیں کہ اس بیان سے ہم اپنے مطلب سے بہت دور چلے آئے ہیں اور جو کچھ ہم نے احادیث اور روایات کے بارے میں لکھا ہے غالباً اسی قدر کافی ہوگا۔ چونکہ ہم ایک علیحدہ باب میں اس پر بالتفصیل بحث کریں گے۔ اس لئے فی الحال اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔ اور اپنا اصلی مطلب شروع کرتے ہیں *

عام طور پر یہ مشہور کرتے ہیں کہ اہل بیت سے بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کو بہت سخت عداوت تھی۔ اور اس عداوت کو ثابت کرنے کے لئے بہت سے فرضی قصے بنائے ہیں کوئی شبہ نہیں کہ حضور انور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم حضرت بی بی فاطمۃ الزہرا سے بہت محبت رکھتے تھے اور آپ کو نہ صرف اُن سے بلکہ اپنی اور لڑکیوں سے جب تک وہ حیات رہیں غایت درجہ الفت تھی۔ آپ کو اولاد کی بہت ہی آرزو تھی۔ اور بالخصوص اولاد نرینہ کی اور چونکہ آپ کے لڑکے صغر سنی ہی میں وفات پا گئے تھے اور حضرت بی بی فاطمہ علیہ السلام کے دو بیٹے حسنینؓ موجود تھے اس لئے آپ ان ہی کو اپنے بچے سمجھتے تھے اور اُن سے پدرانہ محبت رکھتے تھے اولاد کے شوق میں آپ نے اپنے غلام کو بیٹا بنا لیا تھا اور آپ اُن کو بچوں کی طرح سمجھتے تھے۔ محبت کی یہ کیفیت تھی کہ جب آپ کا صاحبزادہ ابراہیم انا کی تاریک کوٹھری میں فوت ہوا ہے اور آپ کو خبر ہوئی ہے تو آپ بہت ہی روئے تھے یہاں تک کہ آپ کی ہچکی بندھ گئی تھی اس پر بعض صحابہ نے بطور تعزیت خدمت اقدس میں عرض کی یا رسول اللہ آپ نے اس قدر کیوں زاری فرماتے ہیں۔ جب کہ آپ ہمیں زاری کرنے سے روکتے ہیں تو آپ نے یہ ارشاد کیا کہ دل کے تعلقات عجیب غریب ہیں منع میں نہیں رونا تو

عرض کیا یارسول اللہ اور میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں ہم اہل یثرب اور خزرج سے ہیں اور

سیر دل پر دوڑا ہے۔ یا اسی قسم کی دوسری روایت کے مطابق آپ الفاظ فرمائے اس سے آپ کی محبت کا جو آپ کو اپنے بچوں کے ساتھ تھی اندازہ ہو سکتا ہے۔ آپ رستہ چلتے چلتے چھوٹے بچوں کو پیار کرنے لگتے تھے۔ اُن کے سروں پر ہاتھ پھیرتے تھے اور انہیں برکت دیتے تھے۔ جب آپ کی یہ کیفیت تھی تو ظاہر ہے کہ بی بی فاطمہ اور اُن کے بچوں سے آپ کس قدر محبت کرتے ہوں گے۔ آپ حسنین کو کندھے پر چڑھاتے تھے۔ آپ چوڑی پر بٹھاتے تھے اور اُن کے سب ناز اٹھاتے تھے۔ اس محبت سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اپنی ازواج سے کم توجہ تھی۔ حضرت بی بی عائشہ کا حسد اس وقت تو ممکن ہو سکتا ہے کہ آپ دوسری بی بی پر بہ نسبت اُن کے زیادہ توجہ فرماتے اور انہیں آنکھ بھر کے نہ دیکھتے تو ایک بات تھی اور جب یہ امر نہ تھا تو کبھی سمجھ میں نہیں آسکتا کہ حضرت بی بی عائشہ اپنی بیٹی سے گو سوتیلی ہی سہی جلتیں۔ اور قدرتی دشمن بن جاتیں جو کشش کہ بی بی عائشہ اہل بیت میں بیان کی جاتی ہے محض فرضی ہے اور ایک صحیح روایت ہے اس کا ثبوت نہیں ہو سکتا۔ نہ حضرت بی بی فاطمہ کی یہ شان تھی کہ وہ اپنی ماں سے جلتی ہوں اور جن واسطے انہوں نے ایک بیر باندھ دیا ہو +

ایک مشہور روایت چلی آتی ہے اور جسے عیسائیوں نے بھی نقل کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت بی بی عائشہ پر الزام لگایا گیا ہے اور آنحضرت نے صحابہ سے مشورہ لیا ہے تو کل صحابہ نے حضرت بی بی عائشہ کی سفارش کی تھی یا رائے دینے سے انکار کیا تھا مگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے یہ فرمایا تھا کہ رسول اللہ کیوں اتنا تردد فرماتے ہیں حضور کے لئے اور عورتیں موجود ہیں نکاح کر لیں۔ اس رائے کو دشمنی کی بنا قرار دیا جاتا ہے۔ اور ثابت کیا جاتا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت بی بی عائشہ میں دشمنی تھی۔ مگر ہمیں اس روایت سے اگر یہ صحیح بھی ہو کوئی وجہ مخالفت نہیں پائی جاتی۔ اور آپ نے بہت ہی معقول کہا کہ اس قسم کے تردد سے کیا حاصل اور بھی نکاح ہو سکتا ہے۔ اور نبی اگر چاہیں تو عورتیں بہت ہیں۔ اور اگر فرض کر لیں کہ حضرت علی نے دل کا غبار نکالا تو پھر کوئی ایسی صحیح روایت نہیں معلوم ہوتی جس میں بیان ہو کہ اس رائے سے حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا ناراض ہوئیں اور انہوں نے اُس کے جواب میں برا بھلا کہا۔ اور

ہم میں اور ہمارے بھائیوں میں رشتۂ اتحاد قطع ہو چکا ہے اگر خداوند تعالیٰ حضور کی برکت سے

جب ان سے ایک بات بھی نہیں ہوئی۔ پھر خواہ مخواہ محض نیک نیتی کے قول کو دشمنی پر محمول کرنے سے کیا فائدہ ہے ؂

اور بھی بہت سے معاملات قلمبند ہوئے ہیں مگر سب کمزور بنیادوں پر قایم کئے گئے ہیں۔ یہ روایات کہ حضرت بی بی عایشہؓ پر الزام لگا اور اس الزام کی بابت رسول خدا نے صحابہ سے استمزاج لیا۔ سراسر غلط ہے اور ہم اس کی لغویت پر دلایل اوپر بیان کر چکے ہیں ؂

غور سے دیکھنا چاہیئے کہ حضور انور کی بعثت کا کیا منشا تھا اور آپ کن مقاصد کی تکمیل کے لئے بھیجے گئے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی بعثت کے صرف دو مدعا تھے۔ ایک تو توحید خدا کی اشاعت اور دوسرے خدا کی مخلوق میں اتحاد قایم کرنا۔ شرک کی بات ہے مسلمان ہو کے یہ کہیں کہ پیغمبر خدا نہ اول مدعا میں کامیاب ہوئے نہ دوسرے میں اور سوائے چند مسلمانوں کے لاکھوں منافق۔ بت پرست۔ دشمن دین و ایمان رہے۔ یہ غلط استدلال ہے جو کبھی پذیرا نہیں ہو سکتا۔ اور یہ ایسا بدیہی ورزمانہ ہے جس کے لئے کسی شہادت کی ضرورت نہیں ہے۔ نہیں ہم یہ کہتے ہیں کہ آپ اپنے دونوں مدعاؤں میں کامیاب ہوئے اور آپ نے توحید کی اشاعت بھی کامیابی کے ساتھ کی۔ اور آپ نے اتحاد کی رسی میں مسلمانوں کو جکڑ دیا۔ حضرت علیؓ ہوں یا حضرت فاروق اعظمؓ۔ حضرت بی بی فاطمہؓ ہوں یا حضرت عایشہؓ۔ سب آپس میں متحد تھے اور ایک دوسرے سے ذرا بھی مخالفت نہ تھی۔ یہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ کو خلیفہ ہونے کی آرزو تھی اور آپ کی دلی خواہش تھی کہ میں خلیفہ بنایا جاؤں مگر قوم نے سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ اپنا خلیفہ نامزد کیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جب قوم کی عام رائے اس طرف دیکھی تو بہت خوشی سے حضرت صدیق اکبرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ یہ محض غلط ہے کہ آپ نے چھ مہینے تک بیعت نہ کی۔ اور جب تک حضرت بی بی فاطمہ کی وفات نہ ہوئی۔ آپ بیعت کرنے پر راضی نہ ہوئے۔ اگر بیعت کرنے میں چھ مہینے کا وقفہ ہو جاتا تو بڑا ہی غضب برپا ہوتا اور ہرگز مدینہ منورہ میں امن قایم نہ رہتا اور وہ گروہ جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ تھا۔ ضرور کچھ نہ کچھ فساد کرتا اور گھر کے اس فساد سے وحشی بدوؤں پر کبھی کامیابی حاصل نہیں ہوتی۔ اسامہ کی ماتحتی میں شام کو مہم روانہ ہو چکی تھی اور جنگ آور مسلمانوں کی

ہم میں پھر رشتہ اتحاد قایم کردے تو پھر حضور انور سے زیادہ کوئی عزیز نہیں ہو سکتا۔

تعداد مدینہ میں بہت ہی قلیل تھی۔ جب بدوؤں نے حملہ کیا ہے۔ حضرت علیؓ نے اس حملہ کو پسپا کرنے میں بہت ہی مدد دی تھی اور اخیر کل صحابہ نے مل کے اس سخت مہم کو سر کیا تھا۔ جب یہ اتحاد تھا تو خیال نہیں ہو سکتا۔ کہ حضرت علیؓ نے چھ مہینے بیعت کرنے میں تامل کیا۔ اور حضرت بی بی فاطمہؓ کی پشت پناہی اپنی خلافت کے لئے موقع ڈھونڈا ہو۔ آپ معاملات سلطنت میں بہت فراخی اور دلی توجہ سے حصہ لیتے تھے اور اگرچہ وزارت یا میر منشی کا کام حضرت عمرؓ ہی انجام دیتے۔ مگر حضرت علی کے مشورہ کے بغیر کوئی کام نہیں ہوتا تھا۔

یہ محض غلط ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق کے زمانہ خلافت میں باغ فدک کا کوئی جھگڑا نکلا ہو اور حضرت بی بی فاطمہؓ حضرت صدیق اکبرؓ سے لڑی ہوں۔ باغ فدک اصل میں کوئی چیز ہی نہیں تھا۔ ساری فرضی کہانیاں ہیں۔ جن پرستی شیعوں نے بہت کچھ کوششیں کی ہیں اور ناحق کتابوں کے ورق سیاہ کئے ہیں۔ حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی کوئی بھی جائداد نہ تھی۔ نہ خیبر میں نہ فدک میں۔ اگرچہ خاص کپڑے بکری اونٹ یا زرہ یا تلوار تھی تو اس کی تقسیم ہونی ممکن نہ تھی آپکو دنیا کے مال سے کچھ نہ تھا نہ آپنے اپنی مبارک زندگی میں کسی چیز پر قبضہ کیا تھا۔ آپ کل مسلمانوں کے پیشوا ہی نہ تھے بلکہ روحانی باپ تھے۔ اگر آپ کے پاس کچھ تھا بھی تو وہ مسلمانوں کا تھا۔ دوسرے حضرت بی بی فاطمہؓ خود بہت بڑی سیرچشم خاتون تھیں۔ اگر ہم نے فرض کیا کوئی ایسی جائداد ہوتی اور انہیں کوئی دیتا جب بھی وہ نہ لیتیں۔ انہیں ہرگز دنیا کی طمع نہ تھی۔ آپ پر تین تین وقت کے فاقے گذر گئے ہیں اور چوتھے وقت کھانا میسر ہوا ہے اور سائل نے سوال کیا ہے آپنے فوراً وہ کھانا اس سائل کو دے دیا ہے آپ خود تکلیف میں رہنا پسند کرتی تھیں مگر کسی کو مصیبت میں نہ دیکھ سکتی تھیں۔ دنیا آپ کی آنکھوں کے آگے ہیچ تھی۔ آپ کو یہی فخر کافی تھا کہ آپ خاتم النبیین فخر موجودات کی صاحبزادی ہیں۔ آپنے کبھی حضرت صدیق اکبرؓ سے یہ نہیں کہا کہ ابوبکر تو تو اپنے باپ کی میراث لے اور مجھے میرے باپ کی میراث نہ لینے دے۔ آپ حد درجہ عالی ظرف اور مخیر تھیں آپ کی خیرات عرب بھر میں زبان زد تھی +

اسکے علاوہ نہ معلوم ہوتا ہے کہ فدک اور خیبر کی جائداد میں خلفاء نے تصرف کیا۔ جب کہ خود اُن کی

اے رسول اللہ ہم نے یہودیوں سے تیرا وصف بہت سنا ہے اور اُنہوں میں ہی تیرے

حکومت وسیع حصہ زمین پر پھیل گئی تھی۔ ممکن ہے کہ فدک کوئی مقام ہو یا باغ ہو اور خیبر میں آپ نے کوئی خاص قطعہ زمین اپنے لئے اس واسطے مخصوص کر لیا ہو کہ گھر کا خرچ چلے مگر نہیں کسی ضعیف سے ضعیف روایت سے یہ نہیں پایا جاتا کہ کسی باغ یا جائداد سکنی یا زرعی کی کوئی خاص آمدنی ہو۔ اور آپ اپنے خرچ کے لئے لیتے ہوں حصہ رسد جو مسلمانوں کو پہونچتا تھا۔ اس میں آپ شریک تھے اور لبس اور اس کے علاوہ جو چیز زیادہ آتی تھی۔ یا آپ کو زیادہ حصے ملتے تھے وہ آپ نے مسلمانوں کے لئے وقف کر دیئے تھی حضور کے ہاں ہمیشہ بے وطن آ آ کے مہمان ہوتے تھے اور آپ کا گھر ہمیشہ بے گھروں کے لئے کھلا رہتا تھا۔ آپ نے گیہوں کی روٹی کبھی پیٹ بھر کے نہیں کھائی۔ کھجور اور دودھ جب کبھی میسر آگیا تو گویا آپ نے بڑا پر تکلف کھانا کھایا۔ آپ نے بارہا کئی کئی دن تک پیٹ سے پتھر باندھا ہے۔ اور مہینوں آپ کے حجرہ میں اندھیرا رہا ہے۔ جب یہ کیفیت تھی تو کسی طرح بھی سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ کی باغ فدک یا خیبر کی جائداد سے کوئی مستقل آمدنی تھی اور آپ اُس خاص آمدنی کو اپنے خرچ میں لاتے تھے۔ کیسا باغ فدک اور کس کی خیبر کی زمین۔ اگر قیصر و کیخسرو کا ملک ہوتا تو بھی بی بی فاطمہؓ مسلمانوں پر قربان کر دیتیں۔ وہ بھی تو آخر جلیل القدر نبی کی صاحبزادی تھیں۔ اُن کی ایسی چھوٹی سی طبیعت نہیں تھی جیسی ہماری ہے اور ہم اپنی تنگ ظرفی سے اس نبی زادی کی طبیعت کو جانچتے ہیں جس سے زیادہ بزرگ جس سے زیادہ فدائی اسلام دنیا نے کسی خاتون کو نہیں دیکھا۔ باغ فدک یا حضرت رسول اللہ کی میراث لینے کا اتنا غل نہیں ہے جتنا کہ اس روایت پر زور دیا جاتا ہے کہ جب صدیقؓ اکبر خلیفہ ہوئے تو حضرت علی گھر میں چھپ کے ہو بیٹھے اور حضرت عمر مکان پر گئے۔ حضرت علیؓ کو پکڑا اُس کے گلے میں رسی ڈالی اور اس طرح گھسیٹتے ہوئے حضرت ابوبکر کے پاس لائے اور پیچھے پیٹتی ہوئی بی بی فاطمہ بھاگی چلی آئیں۔ وغیرہ وغیرہ یہ روایتیں ہیں جو بدقسمتی سے مسلمانوں کے ایک گروہ میں جاری ہو گئیں۔ اور اس گروہ نے ابتدائے زمانہ سے صرف اِنکو اس لئے رواج دیا کہ صحابائے راشدین پر سب دشتم کرنے کا موقع ہاتھ لگنا چاہیئے۔ حضرت علی کی چھوٹی اور دور دراز قیاس باتوں سے کتنی ہی توہین کیوں نہ ہوتی ہو +

حضرت علی بذات خود ایک جری اور شجاع شخص تھے مجال نہیں کہ کوئی آنکھ بھر کے بھی دیکھ سکتا آپ جیسے

ظہور کی ہمیں بشارت دی ہے۔ ہم امیدوار ہیں کہ تو ہمارے گھر میں ہجرت کرکے رونق افروز ہو۔

بیاد ہے اس قدر مجبور بھی تھے یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ گلے میں رسی ڈلوائیں۔ پھر مدت تک نائب میرمنشی کا کام بھی دیتے جائیں اور شیر و شکر ہو جائیں۔ خدا جانتا ہے کہ یہ ساری باتیں محض لغو ہیں اور پہلے ان باتوں کو یہودیوں نے جو بظاہر مسلمان بنے ہوئے تھے اور جو نہ صرف خلفاء راشدین اور مسلمانوں کے بلکہ اہل بیت کے جانی دشمن تھے۔ دشمنی سے تراشا تھا اور بعد ازاں اُن کا اتنا زور ہو گیا تھا کہ مسلمانوں کے ایک فریق نے محض غلط فہمی سے انہیں تسلیم کر لیا اور پھر روائتیں رواج پا گئیں۔

جس طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت صدیق اکبر کو خلافت کے کاموں میں مدد دی تھی اسی طرح حضرت عمر کو بھی مدد دی۔ اور آپ اُن کے مدارالمہام بن گئے کیونکہ عمر بیت المقدس تشریف لے گئے ہیں تو آپ اپنی جگہ خلافت کے فرائض انجام دینے کیلئے حضرت علی کو چھوڑ گئے تھے جب حضرت عمر بیت المقدس جانے لگے ہیں تو حضرت علی روکتے تھے۔ اور نجانے دیتے تھے مگر جانا بہت ہی ضروری تھا چنانچہ آپ تشریف لے گئے اور حضرت علی نے آپکے کام کو انجام دیا اسیطرح جب حضرت عثمان غنی کی خلافت ہوئی ہے آپ اُسوقت بھی ویسے ہی مشیر بنے تھے لیکن جب آپ نے دیکھا کہ حضرت عثمان میں بنات خود اتنی بڑی خلافت کی باگ (جس سے تنگ آ کے حضرت عمر کہا کرتے تھے کاش میری ماں مجھے نہ جنتی تو میں ہرگز خلافت کا بوجھ نہ اُٹھاتا) نہ سنبھل سکی اور آپ مروان کے ہاتھوں میں پڑ گئے جب حضرت علی نے یہ سانگ دیکھا تو پہلو تہی اُسوقت تک نہیں کی۔ جبتک کئی کئی بار حضرت عثمان کو سمجھا دیا۔ ہاں کوئی کامیابی نہیں دیکھی اسکی وجہ یہ تھی کہ حضرت عثمان ضعیف بہت ہی ہو گئے تھے اور ایسی ضعیفی کی حالت میں امور سلطنت کا چلانا سخت دقت تھا۔ بیشک انہیں بہت دھوکے دیئے گئے اور آپ چونکہ معصوم نہ تھے دھوکے میں آ گئے آپ کی ذاتی کوئی خطا نہ تھی اور آپنے جو کام کیا اپنی طرف سے تو نہایت نیک نیتی سے کیا آپنے خود خلافت کی خواہش کبھی نہیں کی قوم نے آپ کو خلیفہ تسلیم کیا اور اس لئے مجبوراً آپنے ضعیفی کی حالت میں خلافت کا بوجھ اُٹھایا۔ یہ صحیح ہے کہ جو آپکو اپنی خلافت میں کامیابی ہوئی وہ صرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا اثر تھا۔ جب تک یہ اثر رہا مسلمان برابر فتوحات میں ترقی کرتے گئے مگر جب یہ اثر جاتا رہا فتنے اور فساد پیدا ہو گئے اور ان فتنوں کا

تیسرا باب

معراج

حضور انور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارادہ قطعی طور پر یہ ہوگیا تھا کہ آپ مکہ سے ہجرت فرما کے یثرب روانہ ہو جائیں آپ اپنی خوابگاہ میں آرام فرما رہے تھے کہ آدھی رات کو محض سنسانی اور خاموشی میں جبکہ تمام دنیا آرام کر رہی تھی اور ستارے مقدس فرشتوں کی آنکھیں بن کے اہل زمین کی طرف نظارہ کناں تھے۔ آپ نے خواب میں دیکھا کہ حضرت جبریل بہت تیزی کے ساتھ اپنے بازو پر بٹھا کے آپ کو مدینہ کی راہ سے بیت المقدس لے گئے ہیں جہاں کل گذشتہ پیغمبروں نے مبارکبادی دی اور سب نہایت ادب سے آپ کا استقبال کرنیکے لئے آگے بڑھے آپکو معلوم ہوا کہ بیت المقدس سے میں آسمان کی طرف جارہا ہوں آپ ایک آسمان سے دوسرے آسمان کی طرف گذرتے ہوئے معلوم ہوئے اخیر آپنے ملاحظہ کیا کہ میں اپنے خالق کے پاس پہنچ گیا ہوں جہاں خالق سے آپ کی باتیں ہوئیں اور اُس خلاق اکبر نے حکم کیا کہ تمہاری اُمت پر پانچ وقت کی نماز فرض کیگئی جب آپ صبح کو بیدار ہوئے اور اُسوقت آپ ابوطالب کے گھر میں تھے تو شب کی ساری باتیں اور کل واقعات آپ کی مبارک نظروں کے آگے گردش کر رہے تھے آپنے سب سے پہلے ابوطالب کی بیٹی سے یہ تذکرہ کیا اور کہا کہ شب کو میں نے بیت المقدس میں نماز پڑھی وہ سنتے ہی چیخنے لگی خدا کے لئے آپ یہ ذکر کسی سے نہ کیجئے گا مخالفوں کو اور ہنسنے کا موقع ملیگا اور وہ مضحکہ اُڑائیں گے مگر آپنے نہ مانا آپ دوسرے آدمیوں سے اسکا تذکرہ کرنیکے لئے حجرہ سے باہر نکلے اور آناً فاناً میں یہ خبر کہ شبکو آپنے آسمانوں کی سیر کی تمام مسلمانوں اور مشرکوں میں پھیل گئی بت پرستوں نے مضحکہ اڑانا شروع کیا اور بڑے بڑے قہقہے مارے مگر سب سے پہلے مسلمانوں میں حضرت صدیق اکبر رضی نے بڑے جوش سے یہ کہا کہ تو سچا ہے اور بیشک تجھے معراج ہوئی اُسیوقت حضور انور نے صدیق کہکے پکارا۔ سر ولیم میور مسیحی مورخ اعظم یہ تحریر فرماتے ہیں کہ پیغمبر اسلام کا آسمان پر جانا اور وہاں سے اُتر آنا فسانہ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔

افسوس ہے ہمارے مسیحی مورخ نے ایسے سخت الفاظ حضور انور کی معراج کی نسبت استعمال کر کے در پردہ اپنے یسوع مسیح کی معراج پر سخت حملہ کیا ہے اس سے زیادہ تعجب انگیز حضرت مسیح کے

واقعات[۱] میں کہ آپ مرکر زندہ ہوئے اور زندہ ہو کر مجسم آسمان پر چلے گئے اور اب تک زندہ
آسمان پر موجود ہیں۔ چاروں انجیلوں میں حضرت مسیح کے ان معجزات کی نسبت قریب قریب
ایک ہی بیان ہے کہ آپ کس طرح صلیب دیئے گئے اور پھر صلیب پر مر گئے اور پھر قبر میں
دفن کئے گئے اور پھر قبر میں پہنچ کے فرشتوں نے آپ کو زندہ کیا پھر آپ تین بار اسی روحانی زندگی

صلیب[۱] پر جب حضرت مسیح چڑھائے گئے تو آپ ایک دردناک آواز میں چلائے اور جان بحق تسلیم ہوئے۔ اس کی
بابت انجیل لوقا باب ۲۳ و ۲۴ میں لکھا ہے۔ اور یسوع نے بڑی آواز سے پکار کے کہا کہ اے باپ میں اپنی روح
تیرے ہاتھوں میں سونپتا ہوں یہ کہہ کے دم چھوڑ دیا۔ اور صوبہ دار نے یہ حال دیکھ کے خدا کی تعریف
کی اور کہا بیشک یہ آدمی راست باز تھا۔ اور سب لوگ جو یہ تماشہ دیکھنے آئے تھے۔ جب یہ واقعات دیکھیں
چھاتی پیٹتے پھرے۔ اور اس کے سب جان پہچان اور وے عورتیں جو جلیل سے اس کے ساتھ آئی تھیں دور سے
کھڑی ہو کے یہ حال دیکھ رہی تھیں +

اور دیکھو ایک شخص یوسف نامی مشیر جو نیک اور راستباز تھا۔ اور وہ ان کی صلاح اور کام میں شریک
نہ ہوا یہودیوں کے شہر ارمتیا کا تھا اور وہ خود خدا کی بادشاہت کا انتظار کرتا تھا۔ اس نے پلاطوس کے پاس
جا کے یسوع کی لاش مانگی۔ اور اس کو اتار کے کتان میں لپیٹا اور ایک قبر میں جو پتھر میں کھدی تھی جہاں کوئی
کبھی رکھا نہ گیا تھا رکھا۔ اور وہ تیاری کا دن تھا اور سبت کے دن کی پو پھٹنے لگی۔ اور وے عورتیں بھی جو
اس کے ساتھ جلیل سے آئی تھیں پیچھے پیچھے چلیں۔ اور قبر کو اور اس کی لاش کو کس طرح رکھی گئی دیکھتی تھیں
اور پھر کے خوشبوئیاں اور تیار کیا لیکن شرع کے موافق سبت کے دن آرام کیا +
اور وے اتوار کے دن تڑکے ان خوشبوئیوں کو جو تیار کی تھیں لے کے قبر پر آئیں اور ان کے ساتھ کئی اور
بھی تھیں اور انہوں نے پتھر کو قبر پر سے ڈھلکایا ہوا پایا۔ اور اندر جا کے خداوند یسوع کی لاش نہ پائی۔ اور
ایسا ہوا کہ جب وے اس بات سے حیران تھیں۔ دیکھو دو شخص چمکیلی پوشاک پہنے ان کے پاس کھڑے
تھے جب وے ڈرتی اور اپنے سر زمین جھکاتی تھیں۔ انہوں نے ان سے کہا تم کیوں زندہ کو مردوں میں
ڈھونڈتیاں ہو۔ وہ یہاں نہیں ہے بلکہ اٹھا ہے یاد کرو کہ ہنوز جب جلیل میں تھا تم سے کیا کہا تھا کہ ضرور ہے
کہ ابن آدم گنہگاروں کے ہاتھ میں حوالہ کیا جائے اور صلیب دیا جائے۔ اور تیسرے دن اٹھے۔ تب ان کی

ہیں اپنے مریدوں سے ملے انہیں اپنے جسم کو دیکھایا کہ اس میں ہڈیاں نہیں ہیں۔ یہ روحانی
جسم ہے جب اس قسم کی مافوق الفطرت باتیں مسیحی مذہب کی جزو اعظم قرار دی گئی ہیں پھر خبر
نہیں مسیحی مورخ سر ولیم میور صاحب بہادر کو کن امورات نے مجبور کیا کہ وہ حضور انور کی معراج

باتیں انہیں یاد آئیں اور قبر پر سے پھر کے اُن گیارھوں اور سب باقی لوگوں کو ان سب باتوں کی خبر دی اور مریم
مگدلینی اور یوحنا اور مریم یعقوب کی ما اور دوسری عورتیں جو ساتھ تھیں انہوں نے رسولوں سے یہ باتیں کہیں
پر ان کی باتیں انہیں کہانی سی سمجھ پڑیں اور اُن کا اعتبار نہ کیا۔ تب پطرس اُٹھ کے قبر کی طرف دوڑا اور جھکا کر دیکھا
کہ صرف کفن پڑا ہے اور اُس ماجرے سے تعجب کرتا ہوا اپنے گھر چلا گیا +

(لوقا ۲۴ باب)

اور دیکھو اُسی دن اُن میں سے دو آدمی اُس بستی کی طرف جس کا نام اماوس اور یروسلم سے پونے چار کوس
کے فاصلہ پر ہے جاتے تھے۔ اور اُن سب باتوں کی بابت جو واقع ہوئی تھیں آپس بات چیت کرتے تھے۔ اور
ایسا ہوا کہ جب وے بات چیت اور پوچھ پاچھ کر رہے تھے یسوع آپ نزدیک آ کے اُن کے ساتھ چلا۔ لیکن
اُن کی آنکھیں بند ہو گئی تھیں کہ اس کو نہ پہچانا۔ اُس نے اُن سے کہا یہ کیا باتیں ہیں جو تم راہ میں آپس میں کرتے
جاتے ہو۔ اور اداس ہوتے ہو تب ایک نے جس کا نام قلیوپس تھا جواب میں اُسے کہا کہ کیا اکیلا تو ہی یروسلم
میں پردیسی ہے کہ جو کچھ ان دنوں اس میں ہوا ہے نہیں جانتا۔ اُس نے اُن سے کہا کیا انہوں نے اسے یسوع
ناصری کے ماجرے جو نبی تھا اور خدا اور ساری قوم کے سامنے کام اور کلام میں قدرت والا۔ اور کیونکر سردار
کاہن اور ہمارے سرداروں نے اُس کو قتل کے حکم کے لئے حوالہ کیا اور صلیب دی۔ پر ہم امید رکھتے تھے کہ بنی
اسرائیل کو مخلصی دینے کو تھا اور ان سب کے سوا آج تیسرا روز ہے کہ یہ واقعات ہوئیں۔ اور ہم میں سے کئی عورتوں
نے بھی ہم کو گھیر رکھا ہے کہ تڑکے اُس کی قبر پر گئیں اور اُس کی لاش کو نہ پا کر آئیں اور بولیں کہ ہم نے فرشتوں کی
رویت دیکھی جنہوں نے کہا وہ زندہ ہے اور بعضوں نے ہمارے ساتھیوں میں سے قبر پر جا کے جیسا کہ ان عورتوں
نے کہا پایا پر اسکو نہ دیکھا۔ تب اُس نے اُن سے کہا کہ اے نادانو اور نبیوں کی ساری باتوں کے ماننے میں سست
مزاجو۔ کیا ضرور نہ تھا کہ مسیح یہ دکھ اُٹھاوے اور اپنے جلال میں داخل ہو۔ اور موسیٰ اور سب نبیوں سے شروع
کر کے وہ باتیں جو سب کتابوں میں اُس کے حق میں ہیں اُنکے لئے تفسیر کیں اور وے اُس بستی کے جہاں جاتے
تھے نزدیک پہنچے اور ایسا معلوم پڑا کہ وہ آگے بڑھا چاہتا ہے تب انہوں نے اُسے یہ کہہ کے روکا کہ ہمارے

پر جو در حقیقت کوئی رکن اسلام نہیں ہے یعنے جبر ایمان نہ رکھنے سے مسلمان کافر نہیں ہوتا کیوں حدیدہ و دہنی سے حملہ کرتے ہیں +

ساتھ رہ کیونکہ شام ہوا چاہتی ہے اور دن ڈھلا تب وہ بھیتر جا کے اُنکے ساتھ رہا اور ایسا ہوا کہ جب وہ اُنکے ساتھ کھانے بیٹھا تھا روٹی لے کر اُسے متبرک کیا اور توڑ کے اُن کو دی تب اُن کی آنکھیں کھل گئیں اور اسکو پہچانا اور وہ اُن کے پاس سے غائب ہو گیا۔ تب اُنہوں نے آپس میں کہا جب راہ میں ہم سے باتیں کرتا اور ہمارے لئے کتابوں کا بھید کھولتا تھا تو کیا ہم لوگوں کے دل میں جوش نہ تھا اور اُسی گھڑی اُٹھکر وے یروسلم کو پھرے اور گیارہوں اور اُنکے ساتھیوں کو اکٹھے پایا جو کہتے تھے کہ خداوند سچ مچ اُٹھا اور شمعون کو دکھائی دیا ہے تب اُنہوں نے راہ کا حال بیان کیا اور یہ کہ کیونکر اُنہوں نے اُس کی روٹی توڑنے میں اُسے پہچانا +

اور وے یہ باتیں کہہ رہے تھے کہ یسوع آپ اُنکے بیچ میں کھڑا ہوا اور اُن سے کہا تمہیں سلام۔ پر اُنہوں نے گھبرا کے اور ڈر کے خیال کیا کہ کسی روح کو دیکھتے ہیں مگر اُس نے اُن سے کہا کہ تم کیوں گھبراہٹ میں ہو اور کاہے کو تمہارے دلوں میں اندیشہ پیدا ہوا میرے ہاتھ پاؤں کو دیکھو کہ میں ہی ہوں اور مجھے چھوؤ اور دیکھو کیونکہ روح کو جسم اور ہڈی نہیں جیسا مجھ میں دیکھتے ہو۔ اور یہ کہکے اُنہیں اپنے ہاتھ اور پاؤں دکھائے۔ اور جب وے مارے خوشی کے اعتبار نہ کرتے اور متعجب تھے اُس نے اُنسے کہا کہ یہاں تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے تب اُنہوں نے بھونی ہوئی مچھلی کا ایک ٹکڑا اور شہد کا ایک چھتہ اُسکو دیا۔ اُس نے لیکر اُنکے سامنے کھایا اور اُن سے کہا کہ یہ وے ہی باتیں ہیں جو میں نے جبکہ تمہارے ساتھ تھا تم سے کہا کہ ضرور ہے کہ سب کچھ جو موسیٰ کی توریت اور نبیوں کے نوشتوں اور زبوروں میں میری بابت لکھا ہے پورا ہو۔ تب اُنکے ذہنوں کو کھولا کہ کتابوں کو سمجھیں اور اُنسے کہا کہ یوں لکھا ہے اور یوں ہی ضرور تھا کہ مسیح دکھ اُٹھاوے اور تیسرے دن مردوں میں سے جی اُٹھے۔ اور یروسلم سے لیکے ساری قوموں میں توبہ اور گناہوں کی معافی کی منادی اُسکے نام سے کیجائے۔ اور تم اِن باتوں کے گواہ ہو + اور دیکھو میں اپنے باپ کے اُس موعود کو تم پر بھیجتا ہوں لیکن تم جبتک عالم بالا کی قوت سے ملبس نہو یروسلم شہر میں ٹھیرو +

تب وہ اُنہیں وہاں سے باہر بیت عنیا تک لے گیا اور اپنے ہاتھ اُٹھا کے اُنہیں برکت دی اور ایسا ہوا کہ جب وہ اُنہیں برکت دے رہا تھا اُن سے جدا ہوا اور آسمان پر اُٹھایا گیا۔ اور اُنہوں نے اُس کو سجدہ کیا اور بڑی خوشی سے یروسلم کو پھرے۔ اور ہمیشہ ہیکل میں خدا کی تعریف اور شکر کرتے رہے۔ آمین +

ہمارے مذہب میں معراج کے متعلق دو خیالات ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے بموجب معراج ایک خواب ہے مگر دوسری روایتوں کے بموجب حضور انور مع جسم آسمان پر تشریف لے گئے تھے۔ سچی بات یہ ہے کہ یہ امور رکن مذہب قرار نہیں دیئے گئے ہیں یہ صرف اعتقادی باتیں ہیں جن پر مسلمان ہونے نہ ہونے کا دارو مدار نہیں ہے۔ عیسائیوں نے ناحق نامعقول لفظ استعمال کر کے نصرانیت کی تہذیب کا پردہ اُٹھا دیا ہے۔ ہم اس پر ذرا تفصیل کے ساتھ بحث کرنا چاہتے ہیں +

ہشامی اپنی تاریخ صفحہ ۱۳۰ میں لکھتا ہے کہ جب مشرکوں کو یہ بات معلوم ہوئی کہ حضور انور شب کو بیت المقدس ہو آئے ہیں تو انہوں نے بیت المقدس کی نسبت حضور انور سے مختلف سوالات کئے۔ آپ نے بیان فرمایا کہ جب میں بیت المقدس جا رہا تھا تو مجھے ایک کارواں ملا جو شام سے آتا تھا اور اس کے ساتھ اتنے اونٹ اور اتنے آدمی اور یہ سامان تھا اور جب میں وہاں سے واپس آرہا تھا اس وقت بھی مجھے ایک کاررواں سے سابقہ پڑا جس کے ساتھ ایک ظرف میں ڈھکا ہوا پانی تھا اس ظرف کو کھول کے میں نے پانی پیا اور اسے اسی طرح ڈھانک دیا۔ کہتے ہیں کہ جب یہ دونوں کاررواں مکہ میں پہونچے۔ تو انہوں نے حضور انور کی باتوں کی تصدیق کی اس پر نصرانی مورخ سر ولیم میور صاحب بہادر یہ تحریر فرماتے ہیں کہ یہ صرف بچوں کی سی باتیں ہیں جسے عقل سلیم سے کچھ تعلق نہیں مگر ان کے دوست اسپرنگر صاحب تو اس سے بھی بڑھ گئے ہیں انہوں نے معاذ اللہ حضور انور کی اقدس و اطہر ذات پر فریب کا الزام لگایا وہ کہتے ہیں کہ پیغمبر اسلام کو زبانی خبروں اور مختلف کتابوں سے بیت المقدس کے جو حالات معلوم ہوئے تھے انہوں نے بیان کر دیئے ہم دونوں مورخ صاحبان کی توجہ یوحنا کے مکاشفات کی طرف مبذول کرتے ہیں جو

مکاشفات یوحنا باب ۴۔ بعد اس کے جو میں نے نگاہ کی تو دیکھا کہ آسمان پر ایک دروازہ کھلا ہے اور پہلی آواز جو میں نے سنی نرسنگھے کی سی تھی جو مجھ سے بولتی تھی اُس نے کہا کہ ادھر اُوپر آ اور میں تجھے وے باتیں دکھاؤنگا کہ اس کے بعد ضرور ہوں گی۔ ۲ تب انہیں میں روح شامل ہو گیا پھر کیا دیکھتا ہوں کہ آسمان پر ایک

باوجودیکہ حضرت مسیح کا ایک زبردست اور پیارا حواری ہے اس قسم کی مجذوبانہ بڑھیں ہانکی ہیں جنہوں نے مشرقی فسانوں کو بھی پرے بیٹھا دیا ہے۔ حضور انور کی معراج میں اگر وہ جسم کے ساتھ بھی مانی جائے جب بھی اتنی فسانہ انگیز اور داستان گوؤں کی سی باتیں

تخت دھرا ہے اور اُس تخت پر کوئی بیٹھا ہے ۳ اور جو اس پر بیٹھا تھا وہ دیکھنے میں سنگ یشم اور عقیق سا تھا اور ایک دھنک جو دیکھنے میں زمرد سا تھا اُس تخت کے گرد تھا ۴ اور اس تخت کے آس پاس چوبیس تخت تھے اور ان تختوں پر میں نے چوبیس بزرگ سفید پوشاک پہنے ہوئے بیٹھے دیکھے اور ان کے سروں پر سونے کے تاج تھے ۵ اور بجلی اور گرج اور آوازیں اس تخت سے نکلتی تھیں اور آگ کے سات چراغ اُس تخت کے آگے روشن تھے یہ خدا کی سات روحیں ہیں ۶ اور اُس تخت کے آگے شیشہ کا ایک سمندر بلور کی مانند تھا اور تخت کے بیچوں بیچ اور تخت کے گرداگرد چار جاندار تھے جو آگے پیچھے آنکھوں سے بھرے تھے ۷ اور پہلا جاندار ببر کی مانند تھا اور دوسرا جاندار بچھڑے کی مانند تھا اور تیسرے جاندار کا چہرہ انسان کا سا تھا اور چوتھا جاندار اُڑتے عقاب کا سا تھا ۸ اور ان چاروں جانداروں میں سے ایک ایک کے چھ چھ پر تھے اور ان کی چاروں طرف اور اندر آنکھیں ہی آنکھیں تھیں اور وے رات دن فراغت نہیں رکھتے مگر کہتے رہتے کہ قدوس قدوس قدوس خداوند قادر مطلق جو تھا اور جو ہے اور جو آنے والا ہے ۹ اور جب وے جاندار اس کی جو تخت پر بیٹھا ہے اور ابدالآباد زندہ ہے بزرگی اور عزت اور شکرگذاری کرتے ہیں ۱۰ تب وے چوبیس بزرگ اس کے سامنے جو تخت پر بیٹھا ہے گر پڑتے ہیں اور اس کو جو ابد تک زندہ ہے سجدہ کرتے ہیں اور اپنے تاج یہ کہتے ہوئے اس تخت کے آگے ڈال دیتے ہیں ۱۱ کہ اے خداوند تو ہی جلال و عزت اور قدرت کے لایق ہے کیونکہ تو نے ہی ساری چیزیں پیدا کیں اور وے تیری ہی مرضی سے ہیں +

باب ۵۔ اور میں نے اس کے دہنے ہاتھ میں جو تخت پر بیٹھا تھا ایک کتاب دیکھی جو اندر اور باہر لکھی اور سات مہروں سے بند تھی ۲ اور میں نے ایک زورآور فرشتے کو دیکھا جو بلند آواز سے یہ منادی کرتا تھا کہ کون اس لایق ہے کہ اس کتاب کو کھولے اور اس کی مہریں توڑے ۳ پر کسی کو مقدور نہ تھا

تہیا ہیں مگر یوحنا نے تو غضب ہی ڈھا دیا بوستان خیال کی ساری کہانیاں اس کے آگے گرد ہیں۔ تعجب ہے کہ نصرانی مورخ سر ولیم میور اور اسپرینگر نے ان مکاشفات سے

نہ آسمان پر نہ زمین پر نہ زمین کے نیچے کہ اس کتاب کو کھولے یا اُسے دیکھے ۴ اور میں بہت رویا کہ کوئی اس لائق نہ ٹھہرا کہ کتاب کو کھولے اور پڑھے یا اُسے دیکھے ۵ تب اُن بزرگوں میں سے ایک نے مجھے کہا کہ مت رو دیکھ کہ وہ بیر جو فرقہ یہوداہ سے ہے اور داؤد کی اصل ہے غالب ہوا ہے کہ اس کتاب کو کھولے اور اس کی ساتوں مہروں کو توڑے ۶ اور میں نے نگاہ کی اور کیا دیکھتا ہوں کہ اس تخت اور چاروں جانداروں کے درمیان اور اُن بزرگوں کے بیچ میں ایک برّہ یوں کھڑا ہے کہ گویا ذبح کیا گیا ہے جس کے سات سینگ اور سات آنکھیں تھیں جو خدا کی ساتوں روحیں ہیں اور تمام روئے زمین پر بھیجی گئی ہیں ۷ چنانچہ وہ آیا اور اس کے داہنے ہاتھ سے جو تخت پر بیٹھا ہے اس کتاب کو لیا ۸ اور جب اس نے کتاب لی تھی تب وے چار جاندار اور چوبیس بزرگ اس برّے کے آگے گر پڑے اور ہر ایک کے ہاتھ میں بربط اور بخور سے بھرے ہوئے سونے کے پیالے تھے لے مقدسوں کی دعائیں ہیں ۹ اور وے ایک نیا راگ یہ کہتے ہوئے گاتے کہ تو ہی اس لائق ہے کہ اس کتاب کو لیوے اور اس کی مہریں توڑے کیونکہ تو ذبح ہوا اور اپنے لہو سے ہم کو ہر ایک فرقہ اور اہل زبان اور ملک اور قوم میں سے خدا کے واسطے مول لیا ۱۰ اور ہم کو ہمارے خدا کے لئے بادشاہ اور کاہن بنایا اور ہم زمین پر بادشاہت کریں گے ۱۱ پھر میں نے نگاہ کی اور تخت اور ان جانداروں اور بزرگوں کے گرداگرد بہت سے فرشتوں کی آواز سنی جن کا شمار لاکھا لاکھ اور ہزار ہا ہزار تھا ۱۲ اور بڑی آواز سے یہ کہتے تھے کہ برّہ جو ذبح ہوا اس لائق ہے کہ قدرت اور دولت اور حکمت اور طاقت اور عزت اور جلال اور برکت پاوے ۱۳ اور میں نے ہر ایک مخلوق کو جو آسمان پر اور زمین پر اور زمین کے نیچے ہے اور ان کو جو سمندر میں ہیں اور ساری چیزوں کو جو اُن میں ہیں یہ کہتے سنا کہ اُس کے لئے جو تخت پر بیٹھا ہے اور برّے کے لئے برکت اور عزت اور جلال اور قوت ابد تک ہے ۱۴ اور چاروں جاندار آمین بولے۔ اور چوبیس بزرگوں نے گر کے اُسے جو ابد تک زندہ ہے سجدہ کیا ؎

(الف) مکاشفات یوحنا

کیوں چشم پوشی کی اور کیوں اسے فریب اور مکر اور بچوں کی سی باتیں نہ کہا حضرت مسیح نے سچ کہا
سب اپنی آنکھ کا شہتیر تنکا دکھائی دیتا ہے اور دوسری آنکھ کا تنکا شہتیر نظر آتا ہے ✦

باب ۶۔ اور جب برّے نے اُن مہروں میں سے ایک کو توڑا تب میں نے دیکھا اور ان چاروں
جانداروں میں سے ایک کی آواز بادل کے گرجنے کی مانند سنی جو بولا اور دیکھ ۲ اور میں نے نظر کی اور دیکھا
کہ ایک نقرئی گھوڑا اور وہ جو اُسپر سوار تھا کمان لئے ہے اور ایک تاج اُسے دیا گیا اور وہ فتح کرتا ہوا اور
فتحمند ہونے کو نکلا ۳ اور جب اُس نے دوسری مہر توڑی تب میں نے دوسرے جاندار کو یہ کہتے سنا
کہ آ اور دیکھ ۴ تب ایک دوسرا سرنگ گھوڑا نکلا اور اس کے سوار کو یہ دیا گیا کہ صلح کو زمین سے
چھین لے اور یہ کہ لوگ ایک دوسرے کو قتل کریں اور ایک بڑی تلوار اسکو دی گئی ۵ اور جب
اس نے تیسری مہر توڑی تب میں نے تیسرے جاندار کو یہ کہتے سنا کہ آ اور دیکھ پھر میں نے نظر کی اور
دیکھا کہ ایک مشکی گھوڑا اور جو اُس پر سوار تھا ترازو ہاتھ میں لئے ہے ۶ اور میں نے اُن چاروں جانداروں
کے بیچ میں سے ایک آواز یہ کہتے سنا کہ گیہوں دینار کا سیر بھر اور جو دینار کے تین سیر پر تیل اور
مے کو ضرر مت پہنچا ۷ اور جب اُس نے چوتھی مہر توڑی تو میں نے چوتھے جاندار کو یہ کہتے ہوئے
سنا کہ آ اور دیکھ ۸ اور پھر میں نے نظر کی اور دیکھا کہ ایک گھوڑا پیلے رنگ کا اور ایک اُس پر سوار
ہے جس کا نام موت ہے اور عالم غائب اُس کے پیچھے روان ہے اور اُنہیں زمین کی چوتھائی پر اختیار
دیا گیا کہ وے تلوار اور بھوک اور موت اور زمین کے درندوں سے ہلاک کریں ۹ جب اُس نے پانچویں
مہر توڑی تو میں نے قربانگاہ کے نیچے ان کی روحوں کو دیکھا جو خدا کے کلام اور اس گواہی کے
لئے جو اُنہوں نے دی تھی مارے گئے ۱۰ اور انہوں نے بلند آواز سے چلا کے کہا کہ اے مالک پاک
اور برحق تو کب تک عدالت نہ کرے گا اور زمین کے رہنے والوں سے ہمارے خون کا بدلا نہ لے گا
۱۱ تب اُن میں سے ہر ایک کو سفید پیراہن دیا گیا اور اُنہیں کہا گیا کہ اور تھوڑی مدت تک صبر کریں
جب تک کہ اُن کے ہم خدمت اور اُن کے بھائی جو اُن کی طرح مارے جانے پر تھے تمام ہوں۔
۱۲ اور میں نے نظر کی کہ جب اس نے چھٹی مہر توڑی اور دیکھا تو بڑا بھونچال آیا اور سورج بالوں
کے کمل کی مانند کالا اور چاند لہو سا ہو گیا ✦

قیامت کا سا سارا نقشہ ہے۔ حسد کی آگ ہمارے دلوں میں روشن ہے اپنے بھائی مسلمان کو خوشحالی میں نہیں دیکھ سکتے۔ بھائی بھائی کا دشمن باپ بیٹے کا عدو بیٹا باپ کا بدخواہ ماں بیٹی کی مخالف بیٹی ماں سے سرکش کیا یہ قیامت کی نشانیاں نہیں ہیں۔ جہالت کی یہ کیفیت کہ فی ہزار ایک مسلمان مشکل سے ایسا نکلیگا جسے معمولی پڑھنا لکھنا آتا ہو۔ وہ کلام پاک جو تیرے ذریعہ سے ہم تک پہونچا جس میں ہماری قسمتوں کا پورا فیصلہ کیا گیا ہے اس کے الفاظ ہی پر ہم نے قناعت کر لی ہے مگر یہ نہیں سمجھتے کہ اس کا مطلب کیا ہے۔ دوسری قومیں ترقی کرتی جاتی ہیں مگر ہمیں جنبش تک نہیں سستی کاہلی۔ بد اخلاقی اور بد اطواری ہماری ذات میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے اور ہماری نئی پود ہیں دیکھئے ہم سے زیادہ ناہنجار ثابت ہو رہی ہے۔ سلطنت کے جانے کا ہمیں رنج نہیں حکومت کے مٹنے کا خیال نہیں مگر رونا تو اس بات کا ہے کہ ہماری قومی یک جہتی اور اتفاق کو کیا ہوگیا۔ موجودہ حالت کو دیکھ کر یہ بالکل صحیح ہے کہ وہ مسلمان نہیں جس کے دل میں اپنے بھائی کی محبت ہو۔ خودسری کی ہوا وہ سمائی ہے کہ ہیں کچھ بھی نہیں اور سمجھتے سب کچھ ہیں۔ ہم کہاں تک روئیں اور اپنی زار حالت کا نقشہ کہاں تک دکھائیں اب بس التجا ہے تو یہ ہے کہ تو اے برحق نبی اے کائنات کے نور اے اپنی امت کے لئے تکلیفیں سہنے والے اے اپنے دشمنوں کے لئے دعاء خیر کرنے والے دعا کر رب العالمین کی درگاہ میں دعا کر تاکہ ہمیں حقیقت کا راستہ معلوم ہو جائے سچی اخوت ہمارے دلوں میں پیدا ہو جائے منشار اسلام کو ہم سمجھ جائیں عناد اور دشمنی ہم میں سے مٹ جائے اور ہم اس قابل ہو جائیں کہ امت مرحومہ کا محترم لقب ہم پر چسپاں ہو سکے اے قادر ذوالجلال کے مخبر صادق ہماری یہ التجا ہے ؎

نام لیوا تیرے گو سب ہو گئے ہیں زار و خوار	شان اگلی سی نہیں اب اُن میں باقی زینہار
ہے ندیم ان کی مصیبت اور غم اُن کا جلیس	بن گئی ہے بس پریشانی گلے کا ان کی ہار
خانماں برباد ناکام و دل حرماں نصیب	شور بخت وشوم طالع بس پریشان روزگار
سلطنت کے ساتھ کھو بیٹھے ہیں کل اوصاف بھی	ہائے بدبختی کو تو روتا ہے اُن پر زار زار
کام اپنا اسے پیمبر کر رہا ہے اب بھی تو	ہو رہا ہے دن بدن اعجاز تیرا آشکار
بڑھ رہی ہے ہر طرف تیری حکومت روز و شب	تو کئے لیتا ہے تسخیر ایک عالم بے شمار
کر دعا امت کے حق میں رحمۃ للعالمین	پاک ہے اسکا گریباں اور دل اس کا فگار

ایک بزرگ اسلام کا خواب اور اس کی سچی تعبیر

ایک زمانہ ہوا کہ اس دہلی شریف میں جہاں بائیس خواجوں کی چوکھٹ ہے اور جہاں علاوہ بزرگان دین کی آرام گاہ ہونے کے شاہان اسلام کے دائمی قیام کی بھی جگہ ہے ایک بزرگ نے ایک حسرتناک خواب دیکھا تھا اور وہ خواب ایسا صدمہ انگیز تھا کہ آخر اُن بزرگ کو اسی خاک پاک سے ہمیشہ کے لئے ہجرت کرنی پڑی۔ اُس خواب کے بیان کرنے سے کلیجہ چاک چاک اور جگر ٹکڑے ٹکڑے ہوتا ہے اور دل میں ایک سنسناہٹ اٹھتی ہے جو رگ و پے میں دوڑ کے دماغ کے پار ہو جاتی ہے ہماری یہ کیفیت نہیں ہے۔ بلکہ جو کوئی اس خواب کو سنے گا بشرطیکہ مسلمان ہو اور اسلام کا کچھ درد اُس کے دل میں باقی اور صدمہ میں ایک کسک اور کسک میں ایک لذت ہو اُس کا بھی ہمارا سا حال ہو جائے گا۔ خواب کیا ہے درحقیقت فیصلہ ہے ہماری قسمتوں کا یا راز ہے ہمارے اسلام کا جو اسلام ہم نے اس وقت بنا رکھا ہے۔ خواب درحقیقت ایک وقعہ ہے مسلمانوں کے سینے وہ زخم جس کی ضرب کا اثر ان پر قیامت تک باقی رہے گا اور اس کا نشان قیامت کے دن خداوند زمین و زمان اور خود رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے چمکے گا +

ہائے خواب کے بیان کرنے کے لئے الفاظ نہیں ملتے۔ ایسے الفاظ جن میں انتہا درجہ کا درد۔ مایوسی نکبت بربادی۔ پامالی اور ویرانی پائی جاتی ہو۔ پھر بھی جو الفاظ کہ ہمیں آتے ہیں اور جن کا استعمال ہم کر سکتے ہیں ان سے اس مختصر خواب کا ذکر کرتے ہیں۔ اُس بزرگ اسلام نے خواب میں یہ دیکھا کہ چند مسلمان بڑے بڑے عمامے اور نیچے نیچے کرتے پہنے ہوئے اور لمبی لمبی داڑھیاں سینہ پر لٹکائے ہوئے حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا جسد مبارک گھسیٹ رہے ہیں اس ہول سے اسلام کی آنکھ کھل گئی۔ علی الصباح آپ نے سفر کے لئے اپنا اسباب باندھا۔ آپ کے معتقدوں نے اس اچانک عزم سفر کا حال دریافت کیا تو آپ نے خواب کا حال بیان فرما کے کہا تم جانتے ہو کہ اس کی تعبیر کیا ہے سب خاموش آبدیدہ منہ دیکھتے رہے پھر خود ہی ارشاد کیا کہ اس خواب کی تعبیر یہ ہے کہ شریعت اسی طرح پامال کی جائے گی مجھے اس سرزمین پر ایک گھڑی بھر بھی ٹھیرنا ناگوار ہے آپ کی مراد صرف دہلی ہی سے نہیں تھی بلکہ ہندوستان سے تھی۔ چنانچہ اب اپنے بال بچوں کو لے کے ہجرت کر گئے درحقیقت شریعت اسلامی مسلمانوں ہی کے ہاتھ سے پامال ہوئی ہے اور اس کی وہ زبوں ترین حالت ہے کہ آٹھ آٹھ آنسو رونے کو جی چاہتا ہے خود بخود آنکھوں سے آنسو رواں ہیں اور دل بیٹھا چلا جاتا ہے ایک غبار ہے جو آنکھوں پر چھایا ہے اور دن بدن اس کی شدت زیادہ ہوتی جاتی ہے خود ماتم ہمارے ماتم سے نالاں ہے خود زاری ہماری

زاری سے خون کے آنسو روتی ہے ✤ ۵

ہم کو خود دیکھ کے ماتم نے کیا ہے ماتم ✤ ہم پہ رویا ہے فغان کر کے سدا آپ الم

آؤ ایک نظر ہندوستان کے کل مسلمانوں پہ ڈالو اور ہر قریہ اور شہر اور گاؤں میں پھر کے مسلمانوں کا تمدن معاشرت۔ تہذیب ملاحظہ کرو۔ دن بدن اُن پر کیا کیا مصیبت پڑتی جاتی ہے اور وہ اس پرامن زمانہ میں اپنی آیندہ نسلوں کے لئے کیا کیا ذخیرہ جمع کر رہے ہیں۔ کشمیر سے لے کے راس کماری تک۔ ہمالیہ سے لے کے سرحدات مغربی شمالی تک اُن کی ایک حالت ہے۔ اُن کا مذہب جس کا نام اسلام ہے پارہ پارہ ہو چکا ہے اور ہر روز اُن میں نا اتفاقی پڑتی جاتی ہے۔ جس نے ہندوستان کا سفر کیا ہے اور ساتھ ہی مسلمانوں کی حالت کو جانچا ہے وہ کہہ سکتا ہے کہ بزرگ اسلام کے خواب کی تعبیر بالکل سچی ہے اور اس میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں ہے۔ ہم نے اپنے ذاتی اغراض۔ حسد اور کینے تعصب کو اسلام کے روشن اسلام کے ساتھ کچھ ایسا گڈ مڈ کیا ہے کہ اب وقت یہ ہو گئی کہ صاف اور ستھرے ہوئے اصول اسلام کا پتہ نہیں لگتا کہ وہ کہاں ہے اور کس گروہ میں ہے۔ فرض کرو کہ ایک محقق شخص جو یورپ کے کسی حصہ کا رہنے والا ہے مسلمان ہونا چاہتا ہے اور اُس نے ہندوستان میں آکے کسی ایسے شخص کو تلاش کیا جو اُس نے کلمہ طیبہ کی تعلیم کر کے مسلمان کرے۔ سوال یہ ہے کہ اگر وہ مقلد مولوی کے پاس جاتا ہے اور اُس کے ہاتھ پر مسلمان ہوتا ہے تو غیر مقلد مولوی کے پاس فتویٰ کفر اُس کے حق میں تیار رکھا ہے اگر وہ صوفی کے ہاتھ پر مسلمان ہوتا تو وہاں بھی بحیثیت ایک مسلمان بھائی ہونے کے اُس سے مصافحہ کرنا کفر جانے گا۔ فرض کرو کہ تھوڑی دیر کے لئے سب نے اتفاق بھی کر لیا اور وہ مسلمان بھی ہو گیا مگر پھر غضب یہ ہو گا کہ جب تک اسلام کا رکن عظیم یعنے پانچوں وقت کی نماز نہ پڑھے گا مسلمان ہونا نہ ہونا اُس کا یکساں ہے اب پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کس کے اصول پر نماز پڑھے۔ مقلدوں کے اصول پر۔ اگر مقلدوں پر پڑھتا ہے اور آمین بالجہر اور رفع یدین نہیں کرتا۔ تو اُس کی نماز ہی نہیں ہوئی۔ اور اگر یہ دونوں باتیں کرتا ہے تو فریق ثانی کے خیال کے مطابق اُس کے نماز ہونے میں شک ہے اور اگر اس نے ان دونوں فریق سے سروکار نہ رکھا بلکہ ایک تیسرے فریق میں مل گیا جو بزرگان دین کے مزاروں کی تحریم کرتے پھول چڑھاتے۔ عرس کرتے قوالی کرتے۔ اور اُن کے مزاروں کی چوکھٹ پر بوسہ دیتے ہیں۔ میلاد کی مجلسیں کرتے اور نام پاک نبی پر تعظیم کے لئے سر تا پا کھڑے ہو جاتے ہیں تو وہ بدعتی کہلائے گا اور اُس کا فیصلہ سر دست محال ہے کہ ایک بدعتی بھی مسلمان ہو سکتا ہے یا نہیں۔ یہ ہیں اختلافات جو اس وقت اسلام پر پڑ رہے ہیں اور یہ ہے بھی پامالی جس کی شکایت

خدا کہی جارہی ہے +

اسلام ایک ایمان کے اصول ایک قرآن مجید ایک نبی ایک پھر یہ اختلاف عظیم کیوں ہے۔ صرف ہماری ناسمجھی اور بدبختی کا قصور ہے ورنہ ہم غور سے دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ ہم سب اصول میں متفق ہیں اور اس میں قدرہ برابر بھی فرق نہیں۔ فروعات میں اختلاف ہے اور یہ ہونا بھی ضرور چاہیئے اور یہ اختلاف اسلام میں رحمت ثابت ہوا ہے بڑے بڑے آئمہ مجتہدین میں اختلاف تھا۔ حضرت امام اعظم حضرت امام شافعی۔ حضرت امام مالک حضرت امام حنبل کے ہزاروں اختلافی مسائل موجود ہیں خود صاحبین یعنی امام ابو یوسف اور امام محمد نے اپنے استاد حضرت امام اعظم سے بہت سے مسائل میں اختلاف کیا ہے۔ کیا کوئی ثابت کرسکتا ہے کہ ان بزرگان دین میں اس فروعی اختلاف سے باہم کچھ کشش تھی۔ ہرگز نہیں کبھی نہیں۔ وہ ایک دوسرے کی تعظیم کرتے تھے اور ان میں باہم ایسا اتحاد تھا کہ جو دو مسلمانوں میں ہونا چاہیئے۔ اسے ان کی بے نفسی۔ اسلامی محبت اور اس فدائیانہ عشق کی تو نظیر ہی نہیں ملتی جو اپنے پیغمبر حق ہادی نبی معصوم صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رکھتے تھے ان کی اسلامی محبت کے بیانوں سے یورپی مصنفوں کی کتابوں کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ مثلاً ہم ایک روایت حضرت امام مالک کی نقل کرتے ہیں۔ خلیفہ ہارون الرشید نے ایک دن حضرت امام مالک کی خدمت میں عرض کیا کہ میں چاہتا ہوں آپ کی کتاب موطا کو کعبہ کے دروازہ پر لٹکادوں اور اعلان دیدوں کہ ہر مسلمان اسی کتاب کو اپنا رہبر بنائے اور کوئی دوسری روایت جو اس کتاب کے علاوہ ہو نہ مانے۔ آپ نے ایک ٹھنڈا سانس بھر کے جواب دیا۔ اے امیرالمومنین ایسا کبھی نہ کرنا مسلمانوں کو ان ہی روایتوں اور احادیث نبویہ پر عملدرآمد کرنے دے جو انہیں پہونچ گئی ہیں۔ ممکن ہے کہ وہ صحیح بھی ہوں۔ میں ایسی حدیثوں کی پیروی جو واقعی صحیح ہیں ان سے چھڑا کے عذاب آخرت مول لینا نہیں چاہتا۔ یہ سن کے خلیفہ خاموش ہو رہا اور آپ کی دگنی عظمت اس کے دل میں بڑھ گئی۔ یہ تھا اسلام اور یہ تھی بے نفسی اور یہ تھی سچی محبت کیا اب بھی اس زمانہ میں اس کی نظیر مل سکتی ہے خوب یاد رکھو اور سمجھ لو کہ مسلمانوں میں خواہ وہ مقلد ہوں یا غیر مقلد وہابی ہوں یا صوفی اصول میں ہرگز اختلاف نہیں ہے۔ فروعات کے اختلاف کو کیوں اس قدر رنگ دیا جاتا ہے اور ایک فریق کیوں دوسرے فریق کو کیوں بدعتی اور لامذہب کہتا ہے ہم نے قریب قریب کل ہندوستان کا سفر کیا ہے۔ ہر شہر میں مسلمانوں کی قابل رحم حالت اپنی آنکھوں دیکھی۔ افسوس اور تُف اجاہل مسلمانوں کو ایسے ایسے اہم مسایل پر ردوکد کرتے سنا ہے کہ کلیجہ کانپ اٹھتا ہے۔ بزرگان دین کی ان ہی جاہلوں کے ہاتھ وہ توہین دیکھی ہے کہ شاید غیر اسلام والا بھی نہ کرے۔ ہم نے اکثر

قصائیوں۔ جلاہوں۔ کنجڑوں۔ تلمی گروں جو کسی نہ کسی فریق کے مولوی سے تعلق رکھتے ہیں بزرگان اسلام کی شان میں ایسے ناشایستہ الفاظ استعمال کرتے سنے ہیں جس سے جگر شق ہوگیا ہے۔ ایک فریق کہتا ہے جو کچھ بکھاری (بخاری) میں لکھا ہے کہ ہم اسی کو مانتے ہیں امام اعظم کیا جانتا تھا۔ معاذاللہ۔ ایک فریق کہتا ہے کہ بکھاری (بخاری) کی بہت سی حدیثیں غلط ہیں امام اعظم کا تو مذہب قرآن میں بیان ہوا ہے۔ جہاں ملت خلیفہ کا لفظ آیا ہے۔ حقیقت میں یہ ہے کہ یہ جاہل بالکل بے قصور ہیں۔ سارا گناہ اُن کے پیشواؤں کا ہے اگر وہ انہیں ہدایت کردیں اور ایسی باتوں سے روک دیں تو وہ ایسی دریدہ دہنی سے کسی بھی آیمہ مجتہدین اور محدثین کی شان میں گستاخیاں نہیں کرسکتے۔ کون ہے جس نے حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی سچی عظمت کو جانا ہے۔ اور اُس بے نظیر امام کی تحقیق و تنقید کو پہچانا ہے وہ امام جس کے تقویٰ۔ طہارت بے نظیر فدائیانہ عشق اور بے مثال عالی دماغی کا خود بڑے بڑے جرمنی۔ فرانسیسی اور لندنی علما نے اعتراف کیا ہے۔ ہم کیا اور ہماری ہستی کیا۔ اسی طرح حضرت امام بخاری کی عظمت کو پورے طور سے کون احاطہ کرسکتا ہے جس نے اپنی انتہا درجہ جانفشانی سے لاکھوں حدیثوں میں سے منتخب کرکے صحیح حدیثیں جمع کیں اور ایک ایسی کتاب ترتیب دی جس پر کتاب رسول کا اطلاق ہوتا ہے حضرت ولی اللہ شاہ صاحب نے ایک خواب لکھا ہے جو ایک بزرگ نے دیکھا تھا اور جسے خود نبی معصوم نے اپنی زیارت کا شرف بخش کے یہ فرمایا تھا کیا تو میری کتاب نہیں دیکھتا۔ اُس بزرگ نے سرور دوجہان کی خدمت بابرکت میں عرض کیا یارسول اللہ۔ وہ کونسی کتاب ہے۔ آپ نے ارشاد کیا وہ بخاری شریف ہے" اللہ غنی جس کتاب کی یہ عظمت اور یہ خوبی ہو اُس کی نسبت قوم کے جاہل افراد محض اپنی شقاوت قلبی سے کیا کیا کریہہ الفاظ استعمال کرتے ہیں یہ صحیح ہے کہ لکھا پڑھا سمجھدار آدمی کبھی ایسا نہ کرے گا۔ مگر جاہلوں نے یہ سارا فساد کر رکھا ہے اور بات یہ ہے کہ وہ اسلام اور اُس کے اصول کو جانتے بھی نہیں۔ دوسری قوم کے آدمی مثلاً آریہ یا کرسٹان اسلام پر حملے کرتے ہیں محض اپنی جہالت سے اُس کے روشن اصول پر ہرزہ درائی کرتے ہیں۔ بزرگان دین کو گالیاں دیتے ہیں ہم کیا خاک انہیں ملامت کریں جبکہ یہ بلا مسلمانوں ہی میں پاتے ہیں اے مرحوم قوم کیا یہ ڈوب مرنے کی جگہ نہیں ہے اے اسلامی گروہ کیا یہ مٹ جانے کی باتیں نہیں ہیں۔ خیال کرو اور دیکھ لو کہ خود تیرے ہی افراد بزرگان دین اور پیشوایان اسلام پر کس کس دریدہ دہنی سے حملے کر رہے ہیں۔ کیا یہ باتیں ہماری بالکلیہ بربادی کی پیشین گوئی نہیں کرتیں کیا یہ اعمال ہیں ایک نہ ایک دن بالکل صفحہ ہستی سے نہ مٹا دیں گے۔ تیری زار حالت واقعی رونے کے قابل ہے

اور اسی لئے ہم بھی روتے ہیں کہ کچھ تو دل کی بھڑاس نکلے گی ؎

اس لئے روتے ہیں تا دل کی بھڑاس نکلے گی ✦ خود بخود رہتی ہے پہلے روئے طبیعت مضطر

جہاں مذہبی حالت ردی ہے وہاں ہماری دنیاوی حالت انتہا درجہ ذلیل ہے۔ روٹیوں سے ہم محتاج ہیں۔ جاہل ہم ہیں۔ بے عزت ہم ہیں۔ حسد ہم میں کوٹ کوٹ کے بھرا ہوا ہے۔ بھائی بھائی کے خون پیاسا ہے۔ سستی کاہلی سے معذور۔ غرض تمام جہان کے عیب ہم میں ہیں اور بظاہر اس کی اصلاح کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ مایوسی کامل ہو چکی اب تو اللہ ہی ہے جو اس مہلک مرض سے نجات دے۔ بنگالہ میں جاؤ یا یورپ یا ہندوستان میں جاؤ۔ یا مالوہ اور دکن میں جہاں دیکھوگے مسلمانوں کو ذلیل ہی پاؤگے۔ خواہ بلحاظ دولت و ثروت خواہ بلحاظ الوہت و عیت۔ تجھ سے ہی سوال کرتے ہیں اے قوم تیری یہ حالت کیوں ہو گئی۔ غور کر اور اس کا سبب دریافت کر شاید تجھے اس سے کچھ فائدہ ہو۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ ہمارے ان مضامین کا اثر تجھ پر کہاں تک ہوتا ہے۔ بہرحال ہم اپنا فرض ادا کرتے ہیں۔ سچ پوچھتی ہے تو بات یہ ہے کہ ہمیں تیری اصلاح سے کامل مایوسی ہو چکی ہے اور اب رتی بھر بھی امید نہیں رہی۔ پھر بھی ہم اپنا فرض ادا کرتے ہیں کیونکہ اپنے خالق ارض و سما کے سامنے قیامت کے دن حاضر ہونا ہے اور اس بات کا جواب دینا ہے کہ ہمارے ہاتھ میں اے باری تعالیٰ تو نے قلم دیا تھا اور ہم نے اس سے امت مرحومہ کی کیا خدمت کی۔ اس کے علاوہ اللہ جانتا ہے کہ ہم پر کیا بنے گی ✦

چودھویں صدی کے مولوی اور ان کے اقسام

عوام کا یہ خیال ہے کہ چودھویں صدی سے جانوروں نے بھی پناہ مانگی ہے اور اس صدی کی ایسی ناگفتہ بہ کیفیت ہے کہ خود حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے بیان نہیں فرمائی۔ اگرچہ اس قول کی شہادت کسی معتبر روایت سے نہیں ہوتی۔ اور نہ سمجھدار لکھا پڑھا ایسی باتوں کو قابل اعتبار سمجھ سکتا ہے۔ پھر بھی سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسا خیال عوام الناس کا کیوں ہوا اور وہ کیوں تیرھویں یا چودھویں صدی ہجری کو ان پر خوف نظروں سے دیکھتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اپنے پیشواؤں کے کرتوت دیکھ دیکھ کے انہیں یہ خیال ہوگا کہ یہ صدی اسلام اور مسلمانوں کے حق میں زہریلا پن اور اس سے بدتر زمانہ اور ہو ہی نہیں سکتا ✦

سوال یہ ہے کہ مولویوں نے ہمارے ساتھ کیا کیا۔ ہماری مذہبی تمدنی۔ معاشرتی حالت کی کہاں تک اصلاح کی اور ہمیں کیا سبق پڑھایا ہمیں اس صحیح حدیث قدسی اور مقصود خداوندی کا کہ سب مسلمان آپس میں بھائی ہیں۔ کہاں تک مفہوم سمجھایا۔ ہمارے باپ داداؤں کے ساتھ کیا کیا اور آئندہ ہماری اولاد کے ساتھ کیا کریں گے ایک زبردست مشہور و معروف مولوی کے ہاتھ پر حلف رکھا جائے اور اس سے دریافت کیا جائے کہ جتنا روپیہ تیرے پاس اس وقت موجود ہے یہ تو کہاں سے لایا۔ تونے کبھی محنت کر کے کمایا تونے کبھی تجارت کی یا تیری موروثی جاگیر کہیں ہے آخر لایا تو کہاں سے۔ اس کا جواب نفی میں ملے گا۔ اور ممکن نہیں کہ سوائے اس کے وہ کہہ سکے کہ میرے مریدوں اور معتقدوں نے دیا ہے پھر سوال یہ ہو کہ تجھے اُن سے لینے کا کیا حق ہے اور تونے کیوں بلا سبب اُن کی گانٹھ کتری اگر وہ خود تیرے پاس لے کے آئے تھے تو تجھے انکار کر دینا تھا تو اُن کے گاڑھے پسینہ کی کمائی لینے والا کون تھا۔ کیا تو وعظ اس لئے کہتا ہے کہ جاہل مسلمان تیری پرستش کریں تو امر و نواہی کا اس لئے بیان کرتا ہے کہ تیری مٹھی غریب ناواقف کریں کیا تو علماء اور اولیائے کرام کا اس لئے بیان کرتا ہے کہ جائز و ناجائز طور پر تیری جیب بھر جائے۔ کیا تو نیابت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا فخر کر کے مسند نبوی پر اس بیٹھتا ہے کہ لوگ تجھے ایک ولی کامل متقی اور فاضل اجل سمجھ کے تیرے ہاتھ پر بیعت کریں اگر تیرے یہ خیال ہیں اور تونے اسی نظر سے نیچی داڑھی اور لمبا کرتہ یا جبہ یا عمامہ زیب تن کر رکھا ہے تو لعنت ہے تیرے اسلام پر اور تف ہے تیری اس دھوکے کی وضع سے اور پھٹ ہے تیری ولیوں کی صورت پر۔ ؎

کار شیطان مے کند نامش ولی ✤ گر ولی این است لعنت بر ولی

اگر یہ بات نہیں ہے اگر وہ صبح سے شام تک مزدوری کرتا ہے اگر وہ مسلمان گاڑھے پسینہ کی کمائی بغیر کسی معاوضہ کے حرام مطلق سمجھتا ہے اگر وہ محض پاک اور سچے دل سے امر و نواہی کا بیان کرتا ہے ایسا شخص بیشک بزرگ ہے اور اس قابل ہے کہ نائب رسول کریم کا معزز لقب اُسے دیا جائے۔ ہندوستان کے ہر شہر میں پھرو اور ہر مولوی سے جا کے ملو۔ آخر الذکر صفت کے مولوی۔ حق تو یہ ہے کہ بہت ہی کم پاؤ گے۔ مولویوں نے بات یہ ہے کہ ایک لوٹ مچا رکھی ہے اور ان کی لوٹ کی کوئی بھی انتہا نہیں ہے۔ جہاں جاؤ اسی کا رونا پاؤ گے۔ جدہر دیکھو یہی آفت ملاحظہ کرو گے۔ ان رہزنان دین و ایمان کا پہلا کام یہ ہوتا ہے کہ مسلمانوں میں نا اتفاقی کرائیں اُن میں سر پھٹول کرائیں اپنے فریق علیحدہ قایم کریں اور یوں امت مرحومہ کو پارہ پارہ کر کے اپنا گھر بھریں فی الحقیقت نہ اُن کا کوئی دین ہے نہ ایمان نہ ان کا کوئی مذہب ہے مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کے لئے کوئی

غیر مقلد بن گیا ہے کوئی مقلد یہ بدبخت ظالم گروہ نہ مقلدی کو جانے اور نہ غیر مقلدی کو ان کا باوا آدم ہی نرالا ہے اور ان کا مذہب ہی اور ہے نہ انہیں خدا کا ڈر اور نہ نبی معصوم کی شرم۔ ان کے نئے نئے گروہ ہیں اور روپیہ کمانے کے نئے نئے طریقے ہیں اور ان ظالموں نے نیک دل اور پرہیزگار علما کی کچھ پت نہیں رکھی۔ کوئی شخص پاس جا کے نہیں پھٹکتا بلکہ اُلٹا غضب یہ ہے کہ ان کی حق گوئی پر ان پر لعن طعن پڑتی ہے اور وہ بچارے خوف کے مارے سر نہیں اُٹھا سکتے۔ ہم نے ارادہ کیا ہے کہ موجودہ زمانہ کے مولویوں کے اقسام بیان کریں اور مختلف بلاد ہند میں جو کچھ ان کی کیفیت ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھی ہے۔ ہدیہ ناظرین کریں شاید ہماری ان باتوں سے مسلمان چوکس ہوشیار ہوں اور دشمنان اسلام سے آیندہ کے لئے پہلوتہی کریں +

اول مولویوں کا وہ گروہ جو ہمیشہ ہندوستان میں گردش لگاتا پھرتا ہے اور جس جگہ جاتا ہے ایک غضب برپا کر دیتا ہے۔ اس گروہ میں کچھ تو مولود خواں مولوی شریک ہیں کچھ نرے واعظ ہیں کچھ پیری مریدی کرتے ہیں اور کچھ مسئلے مسائل بیان کرتے ہیں۔ یہ گروہ ایک زہریلا گروہ ہے اور اس سے مسلمانوں کو سخت نقصان پہونچ رہا ہے۔ ان مولویوں نے ہر شہر میں جانے کا خاص موسم اور خاص مہینے مقرر کر رکھے ہیں اور اس زمانہ میں ان کا فرض ہے کہ یہ وہاں پہونچیں۔ ان کی فیس دو دو روپے سے اٹھ آنہ تک اور کھانا رو کن میں شمار کیا جاتا ہے۔ انکی بڑی بڑی دلچسپ داستانیں ہیں جن میں سے دو چار ہدیۂ ناظرین کی جاتی ہیں۔ ایک مولوی صاحب اپنے وطن سے روانہ ہوئے اور اس قصبہ میں ان کا گذر ہوا جہاں وہ پہلے تشریف نہیں لے گئے تھے۔ چنانچہ وہ پہونچے اور جا کے ایک سرائے میں اُترے۔ اگر شب ہوئی تو تھوڑا آرام کیا۔ لیکن ساتھ ہی سرائے والے سے دریافت کیا کہ یہاں بڑی بڑی مسجدیں کونسی ہیں۔ مسلمانوں میں کون کون سا شخص دولتمند ہے اور آیا وہ کبھی مولویوں کا وعظ بھی کہلا کرتا ہے یا نہیں۔ کون کونسا مولوی ہے اور اس کے مرید کتنے ہیں۔ انکا کہاں کہاں وعظ ہوتا ہے اگر ان کل سوالوں کا جواب حسب دلخواہ مل گیا تو کچھ کہنا ہی نہیں۔ اور نہیں ملا تو علے الصباح اُٹھتے ہی ایک مسجد میں پہنچے اور وہاں کے ملانے سے ملاقات کی اور دریافت کیا کہ یہاں وعظ ہوتا ہے یا نہیں اگر وعظ ہوتا ہو اور اس نے کہدیا کہ میں ہی واعظ ہوں تو دم بخود رہے اور ہونٹ تک نہیں ہلائے اور دو ایک باتیں کر کے کھسک آئے اور ایسی مسجد کا پتہ لگایا کہ جہاں وعظ نہ ہوتا ہو ظہر کی نماز پڑھی اور ابھی سلام پھیرا ہی تھا اور لوگ سنتیں اور نفل پڑھ رہے تھے کہ مولوی صاحب منبر پر کھڑے ہو گئے۔ اور کہا بھائیوں خدا کا کلام سنتے جانا وہ کمبخت یہ سمجھ کے کہ ملا کچھ اینٹھنا چاہتا ہے خاموشی سے چلنے لگے کہ اس نے پھر ایک للکار بتائی کہ تمہیں کبھی رسول خدا صلی اللہ

علیہ وسلم کی قیامت کے دن شفاعت میسر نہیں ہونے کی۔ خدا کے کلام سے دل تنگ ہونے ہوتے ہو یہ
سن کے وہ جانے والے جبراً قہراً بیٹھ گئے۔ ابھی لوگ سنتوں وغیرہ سے فارغ نہ ہوئے تھے کہ ملا جی نے
گانا شروع کیا کیونکہ موجودہ زمانہ میں گانا وعظ کا جزو اعظم گنا جاتا ہے اور زیادہ تر وعظ کا دارومدار گانے پر رہ
گیا ہے۔ اگر اس ملانے کی آواز اچھی ہوئی تو لوگوں کی توجہ کسی قدر اس کی طرف پھری اور وہ رغبت سے
سننے لگے اور جو اس کی آواز بری ہوئی تو چھڑیوں ہی چھڑیوں انہوں نے سرکنا شروع کیا اور اخیر وعظ میں صرف
چار پانچ آدمی رہگئے۔ خدا خدا کر کے وہ وعظ ختم ہوا اور مولوی صاحب نے اپنے سفر خرچ کا سوال کیا اور
اُس مسجد میں جم کے بیٹھ گئے۔ مجبوراً اس شہر کے چند معمر اور باثر اشخاص طباق ہاتھ میں لے کے اُٹھ کھڑے
ہوئے اور دکان دکان ایک ایک پیسہ مانگنا شروع کیا۔ چار پانچ آٹھ دس روپے جمع ہوگئے۔ اور وہ
مولوی صاحب کی جھولی میں لاکے ڈال دیئے روٹی کا بھی حساب رہتا ہے ہر ہر گھر سے ایک ایک روٹی مانگی
جاتی ہے۔ کسی کے گھر سے دال اور کسی کے گھر سے سالن چند گھنٹے میں دو تین آدمیوں کا کھانا جمع ہوگیا۔
اور وہ ملانے کے آگے رکھا گیا۔ اُس نے مال غنیمت سمجھ کے لقمے مارنے شروع کئے اور خوب پیٹ بھر کے
کھایا۔ بچا ہوا کھانا اپنے ساتھ باندھ لیا۔ اور دوسرے دن چل کھڑے ہوئے یہ تو قصبوں اور مسلمانوں کی
چھوٹی چھوٹی بستیوں کا ذکر ہے مگر شہروں میں ان کا طریقہ نرالا ہے اور اُن کی کاروائی دوسری ہے جو ہم
آگے تحریر کریں گے۔ ہمارے ایک دوست نے کالکا میں ابھی چند مہینے ہوئے ایک عجیب کیفیت رہزنان
وین خدا کی دیکھی جو یہاں بیان کرنے کے قابل ہے وہ شملہ کے عزم سے کالکا پہنچے۔ شب کو سرائے میں اُترے
ایک وہ اور ایک اُن کے بھائی تھے۔ دو چارپائیاں ملیں اور اُن پر بچھونا بچھا کے لیٹ گئے۔ یکے والے بھی
اپنی اپنی دوہریں بچھائے ہوئے کچھ تو زمین پر لیٹے تھے اور کچھ چارپائیوں پر بیچارے سارے دن کے تھکے
ہوئے تھے اور سناٹے کی نیند میں سو رہے تھے کہ اتنے میں ایک مولوی صاحب تشریف لائے سر پر عمامہ
نیچی داڑھی منڈی ہوئی لبیں لمبا چغہ ہاتھ میں عصا ماتھے پر سجدہ کا نمایاں نشان آتے ہی چاروں طرف
دیکھا اور بغیر کسی اجازت اور دریافت کے ہمارے دوست کی پائنتی آکے بیٹھ گئے وہ ایک شایستہ اور
مہذب شخص تھے فوراً اُٹھ بیٹھے اور مولوی صاحب نے جگہ خالی پاکے چارپائی کے بڑے حصہ پر اپنا تصرف
کرلیا۔ بغیر کسی سلام اور مزاج پرسی کے۔ اُنھوں نے یہ کہا کہ میں مولوی صاحب ہوں اور وعظ کہتا ہوں۔
تم یہ چارپائی میرے لئے خالی کردو۔ مولوی صاحب کی یہ ناجایز نامہذبانہ درخواست سُن کے ہمارے

دوست کو غصہ آیا اور اُنہوں نے کہا آپ کو حق نہیں ہے کہ ایک ایسی حکومت مجہدانہ کریں پھر تو مولوی صاحب آپے سے باہر نکل گئے اور انہوں نے گرم گرم الفاظ کا استعمال کرکے کہا کیا تم نہیں جانتے کہ میں مولوی ہوں کیا تمہیں اسکا ڈر نہیں ہے کہ ایسی فتویٰ کفر تم پر دیدوں گا یہ تو تو میں میں ہو رہی تھی کہ ہمارے دوست کے بھائی اُٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے بیچ بچاؤ کرکے مولوی صاحب کے لئے چارپائی خالی کردی۔ پھر مولوی صاحب نے فرمایا کہ ہمارے وعظ کے لئے کوئی چیز یہاں بچھا دو۔ بیچاروں نے محض ایک تماشہ دیکھنے کے لئے اپنا بانات چغہ بچھا دیا۔ اور مولوی صاحب اُن بچھونے ہوئے یکے والوں پر جا پڑے اور جھنجوڑ جھنجوڑ کے کہا کہ اٹھو کیا ٹانگیں پسارے سوتے ہو کلام خدا سنو۔ بعض انگڑائیاں لیکر خاموش ہو رہے اور بعض آنکھیں ملتے ہوئے اٹھ بیٹھے۔ بعض نے یہ بھی کہدیا ہو کہ نیند میں خیال کرنے کو یہ کہاں سے مولوی آ جاتے ہیں۔ مولوی صاحب نے دم نہیں مارا اور بانات چغہ پر وعظ کہتے ہو بیٹھے۔ جو یکے والے سوتے تھے وہ سوتے ہی رہے اور جو آنکھیں ملتے ہوئے اُٹھ کے بیٹھے تھے چند منٹ کے بعد وہ بھی سو رہے اور مولوی صاحب دو ڈھائی گھنٹے اُن کے سرہانے بیٹھے ہوئے غل مچایا کئے اور اخیر وعظ ختم کرنے کے بعد ٹانگ پھیلا کے سو رہے۔ ناظرین تعجب کریں گے کہ مولوی کو جنون تھا۔ اس نے کیوں تنہا بیٹھ کے اپنا دماغ خالی کیا اور اپنا زہرا پھاڑا نہیں۔ بلکہ اس نے اپنی مراد حاصل کرلی اور اپنی کوشش میں کامیاب ہوگیا اُسے یہ کامیابی ہوئی کہ اب یکے والوں کو فرض ہوگیا کہ وہ مولوی صاحب کو شملہ بغیر کرایہ لئے پہونچا دیں اور شملہ پہونچانے تک روٹی بھی کھلائیں۔ بس یہی اس ملانے کی آرزو تھی اور وہی پوری ہوگئی یعنے علی الصباح یکا تیار ہوتے وہ بغیر کہے سنے جا بیٹھا اور غریب یکے والے کو خون کے سے گھونٹ پی کے اسے منظور کرنا پڑا۔ اگرچہ اس نے چند نالایم باتیں ملانے کو سنا بھی دیں۔ لیکن ملانے ان باتوں کا خیال نہیں کرتے اپنی مطلب برآری کے لئے انہیں تمام جہاں کی ذلتیں منظور ہیں وہ شیر مادر سمجھ کے سب کو ہضم کر جاتے ہیں اور خبر تک نہیں ہوتی +

ان کی بڑی بڑی دردناک کہانیاں ہیں اور ان کے بیجا مظالم کی بڑی بڑی خون آلود داستانیں ہیں جو ہم بیان کریں گے اور مسلمانوں سے التجا کریں گے کہ انصاف سے ہماری ان تحریروں کو دیکھیں اور غور کریں کہ آیا کسی خاص فریق کی بابت لکھ رہے ہیں یا ہماری مراد جمہوری علما سے موجودہ سے ہے قصائیوں نے حق تو یہ ہے کہ مسلمانوں کو کہیں کا نہیں رکھا۔ یہ کمائیں اور پہاوڑے سے لیکے دیں خدا

کی عمارت کو ڈھارہے ہیں اور کچھ بھی نہیں ورد آتا۔ باہمی محبت اور اخوت کا تاداں رہزنوں نے بیچ ہی مار دیا اور جوں جوں زمانہ گذرتا جاتا ہے ان کی رہزنی میں شدت ہوتی جاتی ہے جب تک ان مولویوں کا بندوبست نہ ہوگا جب تک قوم کے افراد انہیں ہمیشہ کے لئے رخصت نہ کر دیں گے مسلمانوں میں تو اتفاق ہونا محال ہی نہیں ہے بلکہ ناممکن محض ہے۔ ہزار قوم قوم پکارا جائے لاکھ اتفاق اتفاق کے نعرے بلند کئے جائیں کچھ بھی نہیں ہونے کا اور الٹا دن بدن ذلت وخوری کا سامنا ہوگا۔ ہم نے تشخیص مرض کر لی ہے اور ہمیں فخر ہے کہ ہماری اس تشخیص میں کوئی نقص نکال نہیں سکتا +

ہم جو کچھ بیان کرتے ہیں سنی سنائی ایک بھی نہیں ہوتی بلکہ جو ہماری آنکھوں نے دیکھا ہے اور ہمارے کانوں نے سنا اور ہمارے علم نے اُسے جانچا۔ اسی کو ہم ہدیہ ناظرین کرتے ہیں اور ہم علے الاعلان کہتے ہیں کہ ہماری باتوں کی کوئی تکذیب نہیں کر سکتا۔ اب ہم ان واعظین کی کچھ اور کیفیت سناتے ہیں جو حال ہی میں ہم نے آگرہ میں جا کے دیکھی۔ تین تین چار چار مہینے سے آگرہ کے مسلمانوں پر مولویوں کی آفت نازل تھی۔ اور ان ظالموں نے ایک اودھم مچا رکھی تھی۔ کوئی گھر مسلمان کا ایسا نہ تھا جہاں ان کا وعظ نہ ہوا ہو۔ پنہاری سے لے کے کھاتے پیتے مسلمان تک سب ہی نے ان کا وعظ کرایا۔ انہوں نے یہ مسئلہ بیان کیا تھا کہ تمام عمر میں جس کی ایک بار بھی نماز قضا ہو گئی گویا وہ اپنی سگی ماں سے ستر بار زنا کر چکا۔ اب نہ اُس کی توبہ قبول اور نہ وہ بخشا جائے گا۔ ہاں اگر اُس نے ہمارا وعظ کہوا لیا تو بیشک اُس کی نجات ممکن ہے۔ پھر دوسرا مسئلہ یہ بیان کیا کہ وہ گھر جہاں مولوی کا وعظ نہ ہوا ہو۔ شب و روز ہاتھ پھیلا پھیلا کے کوستا ہے اور کوستا بھی کسے گھر والوں کو اور خدا سے بددعا کرتا ہے اہل خانہ کے حق میں۔ غرض جب اس قسم کے زبانی فتوے جاری ہوئے تو عام لوگوں میں ایک ہل چل پڑ گئی۔ رانڈ اور غریب عورتوں نے اپنے گہنے اور کپڑے گروی رکھ رکھ کے مولوی صاحبان کا وعظ کہلوایا۔ ایک مولوی صاحب کی فیس یہ تھی دو سیر دودھ کی قیمت تین یکوں کا کرایہ بارہ آدمیوں کا کھانا۔ پاؤ بھر حلوہ جس میں برابر کا میوہ پڑا ہوا ہو اور دو روپیہ نقد۔ اب اسی سے اندازہ کر لیا جائے کہ غریب عورت تو ادھر گئی۔ اور اس کا تو ہمیشہ ہی کے لیئے ستیاناس ہو گیا۔ ہم نے افسوس سے سنا کہ ان مولویوں کے ہر مہینے صدہا روپے کے منی آرڈر برابر چلے جا رہے ہیں۔ ان کے کمیشن ایجنٹ ساتھ رہتے تھے۔ مولوی صاحب کی نوبت ہی نہ آئی تھی وہ اوپر کے اوپر بھگت لیتے تھے۔ جو غضب آگرہ کی مسلمان رانڈوں پر ہوا وہ یہ ہے کہ گورنمنٹ نے تحصیلدار کے پاس حکم بھیجا تھا کہ مسکین عورات کی فہرست بنا کے دو ہزار،

کی جائے تاکہ قحط کی امدادی کمیٹی اُن کی مدد کر دے۔ لیکن جب ہر ہر گھر میں یہ دعوت اور مولود وعظ ہونے لگے
تو حاکم نے لکھدیا کہ یہاں کوئی محتاج نہیں ہے سب لوگ دولتمند ہیں۔ جو بیچاری رانڈیں واقعی قابل امداد
تھیں اُن کے گلے پر چھری پھر گئی اور خدا ان ملاؤں کو غارت کرے کہ ان رہزنان دین و ایمان نے نہ صرف
ان کا سامان فروخت کرا لیا۔ بلکہ اُنہیں گورنمنٹ کی امداد سے بھی محروم کرا دیا۔ اب سنئے ہماری کیفیت ہمیں
چند ہمدردان اسلام نے مدعو کیا کہ ہم ان کی حقیقت کھولیں اور بتائیں کہ ان سے بچو یہ برباد کر کے بھی باز
نہیں آئیں گے۔ ہمیں اگرچہ آنکھ اُٹھانے کی بھی فرصت نہیں تھی مگر ہم ۹۔ اکتوبر کی ساڑھے دس بجے کی
ڈاک گاڑی میں روانہ ہوئے اور پو پھٹنے سے پہلے آگرہ پہونچے۔ شب بھر ریل میں ایک یوروپی جنٹلمین سے
باتیں ہوتی رہیں مطلق نیند نہیں آئی۔ سارا دن آگرہ میں ملنے ملانے میں گذرا شب کے آٹھ بجے سے کالی مسجد کے وسیع
صحن میں جلسہ شروع ہوا۔ جہاں تک اندازہ کیا جاتا ہے ہزار بارہ سو عورتوں سے کم نہ تھیں اور پانچ چھ ہزار سے
مردوں سے کم نہ تھے۔ ہمارے دوست بابو جہانگیر خاں صاحب جہاں ہم مقیم تھے۔ اس عظیم الشان جلسہ کے بانی
مبانی تھے۔ روشنی بصرف زر کثیر بہت ہی انتظام کیا گیا تھا۔ جن میں دس مولوی بھی مدعو تھے۔ جن میں کچھ تو حقانی
تھے۔ جنہیں اس قسم کی رہزنی سے کچھ تعلق نہ تھا اور چار پانچ غارت کنان دین تھے ان سے یہ نہیں کہا گیا تھا
کہ تمہاری ہی جلسہ میں یہ گت بنے گی ورنہ وہ کبھی بھی نہ آتے۔ سب سے اخیر میں ہمیں رکھا تھا۔ اب ذرا وعظوں کی
مختصر کیفیت سُننا چاہیے۔ ایک مولوی صاحب اُٹھے انہوں نے بیان کیا کہ مولانا روم نے جس وقت مثنوی لکھی
ہے وہ خداوند تعالےٰ کے پاس بیٹھے تھے اور خدا ہی کے مشورے سے لکھتے تھے۔ دوسرے مولوی صاحب
اُٹھے انہوں نے اثناء وعظ میں بیان فرمایا کہ جب جنگ بدر میں حضرت رسالت مآب کو شکست ہوئی ہے تو
آپ نے مسلمانوں کو ہجرت کا حکم دیا تھا۔ چنانچہ مسلمان شاہ نجاشی کے ہاں چلے گئے۔ تیسرے مولوی اُٹھے
انہوں نے بیان کیا کہ شاہ نجاشی یہودی تھا۔ چوتھے صاحب یہ گوہر فشاں ہوئے کہ ملک شام میں یہودیوں
کی عملداری تھی مگر یہ ضرور تھا کہ وعظوں میں گنگا الٹی بہتی (؟) ہوتا جاتا تھا۔ غرض یہ کل علامہ اپنی اپنی باری پوری
کر کے بیٹھ گئے۔ اب مولویوں کے لال بجھکڑ اُٹھے۔ بڑا اور سب سے بڑا عمامہ ایک لمبی تسبیح اور ایک خوبصورت
عصا ہاتھ میں جس کی شام پر قرآن مجید کی آیتیں لکھی ہوئی تھیں یہ مفتی بھی ہیں مولوی بھی ہیں اور واعظ بھی ہیں
اور خدا جانے کیا کیا ہیں۔ تین کیوں کا کرایہ اور پاؤ بھر حلوہ وغیرہ انہی کے ساتھ زیادہ تعلق رکھتا ہے۔
ان کا اسم مبارک مولانا مولوی عبدالکریم صاحب ہے قد متوسط اور خوب موٹے تازے ہیں اور بہت

ہی سرخ و سفید ہیں۔ انہوں نے بہت ہی عجیب و غریب روایتیں بیان کیں۔ وہ روایتیں جو ہم نے کبھی نہیں سُنی تھیں۔ چنانچہ منجملہ اور روایتوں کے آپ نے ایک صحیح حدیث بیان فرمائی اور اس کے راوی جناب پیران پیر کے بڑے صاحبزادے سید عبدالرزاق صاحب بیان فرمایا کہ خداوند تعالےٰ نے جو بکری کو ذبح کرنے کا حکم دیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ میں میں کرتی ہے یعنی اُس میں اس قدر خودی کی بو ہے کہ ہر وقت اس کی زبان سے میں ہی میں نکلتا ہے۔ اسی بنا پر اُس کے گلے پر چھری پھیری جاتی ہے۔ پھر اُس کی کھال اینچی جاتی ہے۔ جب بھی میں ہی میں کی صدا نکلتی ہے۔ پھر اُس کا ایک ایک عضو علیحدہ کیا جاتا ہے پھر بھی وہ میں میں کہنے سے باز نہیں آتی۔ پھر اس کی بوٹی بوٹی جدا کی جاتی ہے۔ پھر اُس کا قیمہ کیا جاتا ہے یہاں تک اس کی انتڑیوں کی تانت بنائی جاتی ہے اور جب وہ دھنئے کے پاس جاتی ہے۔ اس وقت اُس تانت میں سے تُن تُن کی صدا نکلتی ہے۔ یعنے تو تو تو۔ اتنی سخت سزا ملنے کے بعد خودی کی آواز سے انکساری کی صدا آتی ہے۔ ہم اس حدیث پر کیا رائے دیں۔ ناظرین خود ہی اس کا فیصلہ کرسکتے ہیں۔ صرف اتنا ہم ضرور کہتے ہیں کہ ہمارے پیشوا مولانا صاحب کو یہ نہیں معلوم ہوا کہ عربی زبان میں میں اور تو تو نہیں ہوتا۔ جوں ہی معلانا صاحب نے یہ روایت بیان کی اور جسے انہوں نے نہایت جوش اور خوش اسلوبی سے ادا کیا اُن کے جاہل مریدوں نے آفرین کے نعرے مارے اور ساتھ اُن کے کیشن ایجنٹوں نے جو اُن کے ساتھ رہتے ہیں۔ واہ واہ کی ایک دھوم مچادی مگر ہزاروں سمجھدار لوگ مسکرا رہے تھے۔ آریہ اور عیسائی اس جلسہ میں بکثرت موجود تھے بمشکل اپنی ہنسی کو روک سکے۔ ہمارا دل جلا جاتا تھا اور ہم دل ہی دل میں گھٹے چلے جاتے تھے۔ اور شرم کے مارے عرق عرق ہو رہے تھے۔ خدا خدا کرکے مولانا صاحب بیٹھے اور پھر ہمارے دوست شیخ نور الٰہی صاحب مینوسپل کمشنر کھڑے ہوئے۔ آپ نے مسلمانوں کی موجودہ حالت پر ایک مختصر سا مضمون اور معمولی نصائح کے بعد اُسے چند برجستہ نعتیہ اشعار میں ختم کردیا۔ اخیر میں ہماری باری تھی۔ شب کے بارہ بج چکے تھے۔ نو دس بجے جو ابر محیط آسمان تھا صاف ہو چکا تھا۔ جہاں تک نگاہ پڑتی تھی لوگوں کے دل ہا دل چھا رہے تھے۔ جو عورتیں پردہ نشین تھیں اُن کے لئے ایک وسیع بارگاہ میں جگہ کی تھی برقع پوش عورتیں مسجد کے دالانوں میں بھری ہوئی تھیں۔ اس وقت ہمارا دماغ چکرا رہا تھا۔ شب بھر کے جاگے ہوئے دن بھر کی تکان اور چار گھنٹے کی یہ کوفت جو مولویوں کے وعظ سے پیدا ہوئی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ اس نے تو ہماری قوت کا بالکل ہی نچوڑ کرلیا تھا ہم تو راضی نہ تھے مگر زبردستی کی گئی اور اخیر ہم اسٹیج پر جا کے کھڑے

ہوئے۔ ہم نے نبی کریم رسول مقبول احمد مصطفے صلے اللہ علیہ وسلم کے حالات مسعود ومحمود سے اپنا لیکچر یا
وعظ یا خطبہ شروع کیا۔ ڈیڑھ گھنٹے تک مختصر واقعات بیان کئے۔ پھر ہم نے بیٹھ جانے کی اجازت مانگی
کیونکہ بیچ کا حل ہو چکا تھا۔ سامعین نے نہ مانا اور باصرار ہم سے کہا کہ ہم کچھ چلے جائیں جب ہم نے سامعین
کو ہمہ تن متوجہ پایا تو آدمیم برسر مطلب کا مضمون کیا اور چودھویں صدی کے مولویوں کی نہایت دلیری
اور بے باکی سے کیفیت بیان کرنی شروع کی ہم بحیثیت ایک پردیسی شخص کے تھے اور تنہا تھے اور ہمیں
اتنے عظیم گروہ کی مخالفت سے ضرور خوف کھانا تھا مگر ہم نے گوارا نہیں کیا کہ ہم معمولی خوف سے حق چھپائیں
اور مسلمانوں کو آفت میں پھنسا رہنے دیں۔ ہم نے اس صورت میں اپنی دردناک کہانی شروع کی۔ سنو
مسلمانوں جو کچھ تم سے بیان کیا جاتا ہے کسی لالچ سے نہیں ہے۔ نہ تمہاری جیبوں پر ہماری نگاہ ہے۔
اور نہ ہم تمہاری سستی کو دیکھتے ہیں کہ وہ جذبہ یا کمی ہوئی اور نہ تمہارے ان دعوت کھانی منظور ہے۔ ہم
اپنے خیال میں تمہارا دین فروشی کرکے ایک پیسہ بھی لینا حرام مطلق سمجھتے ہیں ہمارے اں دین فروشی جائز نہیں
ہے بلکہ حرام مطلق ہے۔ ہمارے معز موجودات سرور دو جہاں قبل زمانہ نبوت اور بعد زمانہ نبوت اتحاد جو
کے جاکش تھے اور حق یہ ہے کہ آپ کا زمانہ مسعود ومحمود دنیا بھر کی سخت سے سخت مخالفتوں سے سینہ سپر
کرنے میں گذر گیا۔ پھر خلفائے راشدین کی بھی یہی کیفیت تھی۔ کسی نے وعظ فرما کے مسلمانوں سے اپنے
وعظوں کی اجرت نہیں لی اور نہ کسی اور طریقہ سے مسلمانوں کی جیب ٹٹولی۔ پھر آئمہ مجتہدین کا زمانہ آیا۔
ہمارے امام اعظم حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کپڑے کی تجارت کرتے تھے۔ نادار اور مفلس طلبہ کے
ماہانے مقرر کر رکھے تھے۔ کوئی بتادے کہ آپ نے ایک پیسہ بھی کبھی کسی مسلمان سے لیا ہو اور اپنے وعظوں
یا فتووں کی اجرت طلب کی ہو۔ حضرت حسن بصریؒ نے تو یہاں تک فرمایا تھا کہ جو واعظ یا مولوی دین فروشی
کرتا ہے وہ مسلمان ہو کر قیامت کے دن نہیں اٹھے گا۔ مسلمانوں تم خوب سمجھ لو کہ ہرگز اُس شخص کی زبان
سے حق بات نہیں نکلنے کی جو تمہارے آگے بھیک کے لئے ہاتھ پسارے اور ہر وقت تمہاری مہربانی کے
خرید لینا کا فکر کرتا رہے۔ جس کی تمام عمر حرام کے لقمے کھانے میں گذر گئی ہو جس نے موٹے تازے ہونے
پر بھی کبھی اپنی بازو کی قوت سے ایک پیسہ نہ کمایا ہو وہ ہرگز کلام خدا نہیں سمجھ سکتا اور نہ اُس کی زبان سے
حق کلمہ نکل سکتا ہے۔ جو پیدا ہوا مفت خوری میں جس نے پرورش پائی مفت خوری میں جس نے ہوش
سنبھالا مفت خوری میں اور جو بڑا ہوا مفت خوری میں مسلمانوں تم اُس سے کیا امید رکھ سکتے ہو۔

کیوں نہیں۔ اُس کی باتوں کا تم پر اثر ہونا اس وجہ سے کہ اُس کے دل میں کچھ ہے زبان سے کچھ کہتا ہے۔
وہ درحقیقت ڈاکو ہے جو تمہیں دن دیہاڑے لوٹتا ہے اور کوئی اُسے مزاحم نہیں ہوتا۔ تم مسلمان ہو تمہیں نماز
پڑھنی آتی ہے۔ تم روزے رکھنا جانتے ہو تم نبی معصوم و برحق کو اپنا پیشوا شفیع مانتے ہو۔ خدائے واحد مطلق
باخدائے قرآن پر تمہارا ایمان ہے۔ اب تمہیں ہیں اور تو تو کی روایتوں کے سننے کی کیا ضرورت ہے۔
تم اپنے شکوک دینی اُس سے جاکے رفع کرو۔ جس کی تمہاری جیبوں پر نگاہ نہ ہو۔ جو تمہاری مٹھی کے بند
دیکھنے کا مشتاق نہ ہو جسے روپیہ کی چھنا چھن اچھی نہ معلوم ہو جس میں کسی قسم کا ریا اور فریب نہ ہو اور
بات یہ ہے جسے تمہارے روپیہ کی ضرورت نہیں۔ وہ کیوں تم سے دغا اور فریب کی باتیں کرے گا تمہارے
گاڑھے پسینہ کی کمائی تمہیں اور تمہارے بچوں کو مبارک رہے خدا کرے تم پھلو پھولو اور محنت کی تمہیں لاج رہے
ہو۔ یہ میں جانتا ہوں کہ میری کھلی کھلی باتیں جو فی الحقیقت بالکل نئی ہیں اور تمہارے کانوں میں کبھی نہ پڑی
ہوں گی بری معلوم ہوتی ہوں گی مگر نہیں خدا نے تمہیں ہوش عقل اور فراست دی ہے تم یک لخت نہ بگڑ
جاؤ۔ بلکہ سوچو سمجھو اور غور کرو کہ میں کیا کر رہا ہوں اور آیا میرے اس کہنے میں کچھ میری غرض ہے۔ یا میں
بے لاگ ہو کے بیان کرتا ہون اس دلیری اور بیباکی سے بیان کرنے کا سبب یہ ہے کہ مجھے تم سے کوئی
لالچ نہیں ہے۔ میں پاؤ بھر برابر کے میوے کا حلوا نہیں چاہتا۔ اپنے وعظ کا کچھ معاوضہ نہیں چاہتا۔ نہ
آپ سے گاڑی کے کرایہ کا طلب گار ہون۔ ہاں آپ کی کشیدہ خاطری سے مجھے افسوس ضرور ہوگا۔ صرف
اس وجہ سے کہ آپ نے بغیر سوچے رائے قایم کر دی ورنہ مجھے اور کسی قسم کی پروا نہیں ہے یہ میں خوب جانتا ہوں
کہ صدیوں کی برائیاں آسانی سے نہیں جا سکتیں۔ اسی لئے اگر میرے وعظ کا کچھ اثر نہ بھی ہو تو میں مایوس نہیں
ہونے کا ہاں میری دعا یہ ہے کہ خدا آپ کو حق بات سننے اور سمجھنے کی فہم سلیم عطا کرے اور آپکو خود غرض
پیشوایان دین نے مسلمانون پر کیا قہر نازل کر رکھا ہے اور اُن میں نا اتفاقی کس قدر پھیلا دی ہے خوب سمجھ لو
جو تمہارے آگے ہاتھ پسارے اور چکنی چپڑی باتیں کرے یا تمہارے مطلب کی کہے اُسے ہرگز مسلمان نہ سمجھو
بلکہ رسول کریم کا جانی دشمن ہے وہ دین خدا کو برباد کرنا چاہتا ہے اور اُس کا منشا ہے کہ مسلمان بالکل
برباد ہو جائیں۔ یہ نہ سمجھو کہ دنیا میں برے ہی برے بھرے ہیں نہ میرا مطلب یہ ہے نہیں اچھے بھی ہیں اور
وہ ہر شہر میں ہوں گے مگر ان دشمنان دین نے انہیں بیکار کر دیا ہے اور کوئی ان کے پاس جا کے نہیں پھٹکتا۔
وہ حق گو ہیں مگر کوئی ان کی حق گوئی پر کان نہیں لگاتا۔ میری یہاں بہت سی بہنیں بیٹھی ہوئی ہیں اُنکی خدمت

میں بھی میری یہ التجا ہے کہ وہ میری ان باتوں کو سنیں اور ہرگز ہرگز ان کی دعوتوں میں اپنا روپیہ صرف نہ کریں۔ اس طول طویل تقریر کا جو ہم نے ساڑھے تین گھنٹے کے قریب تک بیان کی یہ خلاصہ ہے۔

جو کچھ ہمارے لیکچر یا وعظ کا نتیجہ اس عظیم الشان جلسہ میں ہوا وہ حسب دلخواہ بھی تھا اور امید سے بھی زیادہ تھا۔ ایک آواز اٹھی اور کثرت باد میں گونج اٹھی کہ واقعی ان مولویوں نے ہمیں برباد کر دیا۔ سیدھی سیدھی اور کھری کھری باتیں آج ہمارے کانوں میں پڑی ہیں۔ یہی ہماری بہتوں نے غل مچایا۔ مگر سب سے زیادہ ردی حالت ہمارے ان مولویوں کی تھی جن کے پاؤ بھر حلوہ اور دو روپیہ فیس میں فرق آتا تھا۔ وہ کئی کئی گز گھٹ گئے تھے۔ سارے پسینہ پسینہ ہو گئے تھے اور اُن کی حالت بظاہر قابل رحم تھی۔ سانس اوپر کا اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا تھا۔ نہ ان میں اتنا زہرہ تھا کہ وہ دو کلمے بھی کھڑے ہو کے کہہ سکتے۔ بالکل نہ روئے ماندن نہ پائے رفتن کا مضمون تھا۔ غرض خدا نے بڑی کامیابی سے اس عظیم جلسہ کا اختتام کیا۔ ہم چار بجے کے قریب اپنی قیام گاہ پہ واپس آئے۔ سر میں چکر آنکھوں میں غبار ہاتھ پیروں میں سنسناہٹ نیند کا نام نہیں۔ ہرچند ہم نے چاہا کہ تھوڑی دیر سو رہیں لیکن نہ ہو سکا۔ پلنگ پہ لیٹے ہی تھے کہ موذن کی دل خوش کن اور مبارک صدائیں کانوں میں گونجنے لگیں کہ نماز سونے سے بہتر ہے ابھی ہم نماز سے فارغ نہ ہوئے تھے کہ غول کے غول مسلمانوں کے آنے شروع ہو گئے اور انہوں نے زور ڈالا کہ ہم اور بھی دو ایک بار وعظ کہیں۔ ان کا یہ اصرار اور پھر اصرار غرض مجبوری اقرار کرنا پڑا اور تین بجے سہ پہر کو ہمارا لیکچر ٹھیرا بارہ بجے سے پہلے اشتہار جاری ہو گئے اور ٹھیک تین بجے جلسہ ہوا۔ دو ہزار سے کم مرد اور پانسو عورتوں سے کم نہ ہوں گی۔ پہلے ایک مولوی صاحب کھڑے ہوئے اور انہوں نے یہ بیان کیا کہ مردوں کی لونڈیاں ان کی بیبیاں ہیں اگر خاوند حکم دے کہ سیاہ پہاڑ کی جگہ سفید پہاڑ اور سفید پہاڑ کی جگہ سیاہ پہاڑ اکھیڑ کے رکھدو اور بی بی انکار کرے تو اُسے فوراً طلاق دیدے اسی قسم کی اور باتیں تھیں جو انہوں نے بیان کیں جب وہ دس پندرہ منٹ کے بعد بیٹھ گئے تو ہماری باری آئی۔ ہم نے کل ان حقوق کی تشریح کی جو اسلام نے عورتوں کو عطا کئے ہیں اور ہم نے بیان کیا کہ طلاق کا ایسا لفظ ہے جس سے خداوند تعالیٰ سخت ناراض ہوتا ہے۔ پھر ہم نے چار اور ایک نکاح کی بحث کی اور یہ بحث ہماری بہت ہی دلچسپ تھی۔ عورتیں ہاتھ پھیلا پھیلا کے دعائیں دے رہی تھیں۔ غرض جب ہم نے اپنی تقریر ختم کی تو ہمارے دوست شیخ نور الٰہی صاحب اُٹھے اور انہوں نے مولویوں کی گذشتہ شب والی تقریر پر ریمارک کیا اور بیان کیا کہ میں نہیں چاہتا کہ مسلمان غلط

فہمی میں رہیں اور جو تاریخی واقعات انہوں نے سنے ہیں کہیں انہیں سچا نہ سمجھ لیں۔ بدر میں مسلمانوں کو نمایاں فتح ہوئی تھی یہ غلط بیان کیا گیا ہے کہ انہیں کوئی شکست ہوئی تھی۔ پہلی ہجرت شاہ نجاشی کے ہاں مکہ معظمہ سے ہوئی تھی نہ کہ مدینہ سے شام میں یہودیوں کی حلداری نہ تھی بلکہ نصاری کی تھی اور شاہ نجاشی یہودی نہ تھا بلکہ نصرانی تھا پھر شیخ صاحب نے ان جیسے مولویوں کی کھلے کھلے الفاظ میں خبر لی اور اخیر اپنے مضمون کو اس لطیف مثال پر ختم کیا آپ نے فرمایا کہ اس نوعیت کے واعظیں یا علما کی مثل بالکل ویپائر کی سی ہے یہ آتقیہ میں ہوتا ہے جہاں کوئی مسافر تھکا ماندہ کسی درخت کے نیچے پڑکے سو رہا تو ویپائر کا جوڑہ اُتر تا ہے اور اپنے پروں پنکھا جھلنے بیٹھ جاتی ہے تاکہ نیند میں اور بھی غفلت ہو اور ٹخنے کی ایک رگ سے خون پینا شروع کرتا ہے یہاں تک یہ دونوں نر و مادہ باری باری سے مسافر کے جسم کا سارا خون پی لیتے ہیں اور اس بیچارے کو خبر بھی نہیں ہوتی اور وہ تھوڑی دیر کے بعد مردہ پایا جاتا ہے۔ یہ سنا تھا کہ ملانوں کی جانوں پر بجلی ٹوٹ پڑی اور خلاف قاعدہ بغیر اجازت ایک مولوی صاحب اٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے یہ بیان کیا کہ علما کی شان میں ایسے سخت الفاظ استعمال کئے گئے ہیں جو درجہ کفر تک پہونچتے ہیں۔ مجھے تو کوئی کچھ نہیں دیتا وعظ کہوا لیا روٹی کھلا دی اور دہتا بتائی۔ کئی برس مجھے وعظ کہتے گذر گئے۔ مجھے اس عرصہ میں صرف ایک روپیہ ملا ہے اسپر ونالشی ایک قہقہہ پڑا یہاں تک تو کچھ مضائقہ نہ تھا لیکن اخیر وہ اپنی ناہنجاری پر اتر آیا اور اس نے ہمارے ہادئے برحق رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم پر سخت دریدہ دہنی اور بے ادبی سے یہ حملہ کیا کہ طلاق دینے کے لئے کسی حجت اور سبب کی ضرورت نہیں ہے خود رسول خدا نے بلا سبب بی بی سودہ کو طلاق دے دی تھی

اور آپ نے فرمایا ہے کہ میں اپنی نفسانی خواہشوں غالب نہیں آسکتا۔ یہ سنتے ہی ہماری آنکھوں میں ایک بجلی سے کوند گئی۔ رونگٹے رونگٹے سے آگ کے شعلے نکلنے لگے یا ایک دھواں اُٹھا جس نے ہماری آنکھوں کے آگے جہان کو تاریک کر دیا ایک تیر لگا جو دل سے پار ہو کے دماغ سے نکل گیا۔ اشتعال طبع کی حالت اس حد تک پہونچ گئی تھی کہ ہم بیان نہیں کر سکتے۔ ہم نے فوراً کھڑے ہو کے للکارا کہ بس زیادہ زبان درازی نہ کرو اور خبردار جو ایک لفظ بھی تو نے منھ سے نکالا پڑھ تو بھی وہ حدیثیں کونسی ہیں۔ ملا ناسٹ پٹا گیا اور کہنے لگا کہ مجھے حدیثیں تو یاد نہیں ہیں پھر ایک آواز مجمع سے آئی جب حدیثیں یاد نہیں ہیں تو کیوں بکتا ہے غرض فوراً اسے بٹھا یا گیا اور رفع شر کے ناور پر ایک صاحب کھڑے ہوئے اُن کا اسم گرامی مولوی اسمٰعیل صاحب تھے وہ اپنے کو دہلی کا رہنے والا کہتے ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ ہم نے بدقسمتی سے کبھی ان کا نام دہلی میں نہیں سنا غالباً دہلی

والے بتائیں گے کہ کون سے مولوی اسمٰعیل صاحب ہیں ساں کا قد لمبا ہے گندمی رنگ ہے موٹے تازے آدمی ہیں لمبا کرتہ پہنتے ہیں داڑھی بھی خاصی بڑی ہے اور ایک وجیہ شخص ہیں وہ گرما کے کہنے لگے کہ میں قرآن تفسیر حدیث تاریخ سے ثابت کر دوں گا کہ شاہ نجاشی یہودی تھا۔ وہ یہ کہہ رہے تھے کہ مغرب کی اذان ہو گئی اور جلسہ درہم برہم ہو گیا مغرب کی نماز کے بعد ان کے پاس قرآن بھیجا گیا کہ ثابت کریں۔ وہ شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ دیکھ کر پشیمان ہو گئے۔ ان ہی بیان ہے کہ شاہ صاحب نے نجاشی کو نصاریٰ لکھا ہے۔ پھر انہوں نے ہمارے میزبان بابو جہانگیر خان صاحب کی زبانی ہم سے معافی مانگی اور اپنی غلطی کا اعتراف کیا۔ ہم نے کہا معافی غیر معافی کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ آپ نے ہزاروں جاہل مسلمانوں کو بہکایا تو وعظ میں ہی اپنی اس غلطی کا اعتراف کرنا چاہیئے مگر یہ انہوں نے منظور نہ کیا اس لئے مجبوراً بذریعہ اخبار کے اس غلطی کو رفع کیا ورنہ اگر مجمع عام میں اعتراف کر دیتے تو ہم کبھی مولوی صاحب کا تذکرہ اخبار میں نہ کرتے۔ یہ ہیں مولوی اور ان کی کیفیت جنہوں نے فی الحقیقت ایک غضب برپا کر رکھا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ جاہل بھی ہیں بے ادب بھی ہیں۔ اور دشمنان دین بھی ہیں بجائے اصلاح کے مسلمانوں میں خرابی ڈال رہے ہیں اور انہوں نے مسلمانوں کی جہالت سے بہت ہی فائدہ اُٹھایا ہے۔ غلط واقعات بیان کرتے ہیں۔ غلط مسائل کہتے ہیں پیسہ پیسہ دو دو پیسہ کی کوئی اُردو کی کتاب مول لیکے اُسے حفظ کر لیتے ہیں۔ اور اسی کا وعظ ہر جگہ کہتے پھرتے ہیں کون ہے جو ہماری ان جھنی اور بیہودہ باتوں کو جھٹلا سکتا ہے اور کون ہے جو ہمارے ان اقوال کی تردید کر سکتا ہے ہر شہر میں ان ہی نابکاروں کا رونا ہے اور ان ہی کی چاروں طرف دہائی ہے کم و بیش ہر شہر میں انہوں نے غضب ڈھا رکھا ہے ان ہی کی بدولت لاکھوں روپیہ مسلمانوں کا مقدمہ بازی میں خرچ ہو رہا ہے جو ان میں کم شد بد جانتے ہیں وہ شب و روز فتووں کی بھرمار کرتے رہتے ہیں۔ جس طرح وہ خود ناپاک ہیں ایسے ہی ان کے فتوے ہیں۔ اگر ایک فتوے کو بھی لکھ دیا جائے تو حقیقت کھلے کہ وہ کون ہیں اور کیا کر رہے ہیں۔ سنئے ایک فتویٰ شائع ہوا ہے جس میں ایک بڑے جگادری مولوی نے لکھا ہے کہ سور کی کھال پر نماز پڑھنی جائز ہے اور ساتھ ہی قرآن میں سور کے گوشت اور خون کو حرام کہا ہے۔ اس لئے اُس کی چربی کھانی جائز ہوئی اگر کوئی شخص کسی میلہ میں جائے تو اُس کی بیوی نکاح سے باہر ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اس فتوے میں اور بھی بہت سی خرافات اور فحش باتیں ہیں جو ہمیں نقل کرتے شرم آتی ہے دوسرا فتویٰ اور جاری ہوا ہے کہ اگر غیر مقلد نکاح پڑھائے تو وہ قطعی حرام ہے۔ اسی طرح غیر مقلدوں کا یہ بیان ہے کہ اگر مقلد نکاح پڑھائے

تو وہ قطعی حرام ہے یہ آفت ہے جو ان ملاؤں نے ڈھا رکھی ہے اور جاہل مسلمان بے یا دہوئے چلے جا رہے ہیں۔ جب تک مسلمان انہیں اپنے ہاں سے نہ خارج کر دیں گے اور دور ہی سے انہیں سلام نہ کریں گے ان کی جان و مال اور مذہب حفاظت میں نہیں رہ سکتا ؛

دیکھا جاتا ہوں اور قصائیوں نے پیشوا بن کے کیا غضب ڈھا رکھا ہے اور مسلمانوں کو یہ دشمن دین اسلام کیا برباد کر رہے ہیں۔ یہ وعظوں کی کیفیت ہے جو اسلامی کھیتی کو پامال کر رہی ہیں اور ہماری آیندہ نسلوں اور موجودہ پودوں کو انہوں نے بے انتہا صدمہ پہونچایا ہے ایک ایک ملانا صاحب جابجا دبن گیا ہے اور محض نفس پرستی اور عیاشی کے لئے تین تین چار چار بیویاں کر رکھی ہیں دین و دنیا کا کوئی کام اُن کے متعلق نہیں ہے نہ وہ اس قابل ہیں کہ غیر مذہب کے مقابل میں اسلام کی حمایت کریں اور نہ انہیں یہ توفیق ہے کہ اپنی بیش قیمت کمائی سے مفلس اور یتیم بچوں کی پرورش کریں ان کی اصلی غرض یہ تو ہوتی نہیں کہ دین خدا کی حمایت کی جائے۔ بلکہ انہوں نے مولویت کو پیشہ بنا کے دو دو ہاتھ مارنے شروع کئے ہیں کہ پناہ بخدا۔ ایک شخص جسے ہم خوب جانتے تھے جو انتہا درجہ کا تد اور اوباش تھا یکایک دہلی سے غائب ہو گیا کئی برس کے بعد ہم نے اُسے ایک شہر میں دیکھا کہ ایک بڑا عمامہ سر پر ہاتھ میں خوبصورت لمبا عصا اور بڑا جبہ پہنے ہوئے اور دس پندرہ مرید یا کمیشن ایجنٹ ساتھ نیچی نگاہ کئے ہوئے آہستہ آہستہ جا رہے ہیں شبہ ہوا کہ یہ وہی صاحب ہیں مگر جب وہ قریب آئے تو ہم نے پہچان لیا صورت دیکھتے ہی ہمارے منہ سے نکل گیا حضور یہاں کہاں۔ اس شخص نے ہمیں اشارہ سے ہمیں منع کر دیا کہ ہم کوئی بات منہ سے نہ نکالیں اور ہمیں اپنے مکان پر بلایا۔ غرض دوسرے دن ہم مکان پر گئے تو ہم نے ایک عجیب رنگ دیکھا تمام قسم کی مٹھائی رکابیوں میں چنی ہوئی فصلی میوہ الگ رکھا ہوا تین چار عورتیں برقع میں لپٹی ہوئیں۔ دو تین کسبیاں مودب بیٹھی ہیں۔ دس بارہ مرید دست بستہ موجود نہایت مکلف فرش بچھا ہوا ہم نے مہذبانہ طریقہ سے مصافحہ کیا اور کوئی بات ایسی نہیں کی جس سے وہ خفیف ہوتا۔ چونکہ ہم ایسے مکروہ جلسہ میں زیادہ دیر بیٹھنا نہ چاہتے تھے وہ ہمیں ایک علیحدہ کمرہ میں لے گیا اور اس نے ساری حقیقت بیان کی کہ جب میں دہلی میں روٹیوں کو بھی محتاج ہو گیا اور تمام بداعمالیاں کرنے سے بھی میرا پیٹ نہ بھرا۔ آپ دیکھتے تھے کہ امیروں کا مسخرا میں بنا۔ برہنہ ہو ہو کے میں ناچا کٹنا پا میں نے کیا غرض تمام ہی کرتوت کئے مگر کچھ کام نہ چلا اخیر میں نے یہ طریقہ اختیار کر لیا۔ وعظ بھی کہتا ہوں پیری مریدی بھی کرتا ہوں۔ لوگوں کو خدا کی زیارت بھی کرا دیتا ہوں۔ خدا کی زیارت کے بہت سے

طریقے ہیں۔ کبھی تو خدا کا صرف سایہ ہی سایہ نظر آتا ہے اور کبھی خدا کو مجسم دکھا دیتا ہوں۔ ایک حجرہ میں چلا
جاتا ہوں اور تھوڑی دیر کے بعد حجرہ کے کواڑ کھول دیتا ہوں باہر لنڈ پیڑ ہوتا ہے اور اندر فانوس وغیرہ
لیکے بیٹھ جاتا ہوں اور تمام مریدوں اور مریدنیوں کو حکم دے رکھا ہے کہ جوں ہی تمہاری نگاہ پڑے اوندھے
منہ گر پڑو دیکھتے ہی سجدہ کرو اس لئے کہ وہ نظر جما کے نہ دیکھ سکیں۔ اور جلدی سے سجدہ کریں بس پھر دروازہ بند
کر دیتا ہوں۔ حد سے زیادہ لوگ مجھ پر اعتقاد رکھتے ہیں اور مختلف شہروں کی کسبیاں دولتمند اور بکثرت
شریف زادیاں اور امیر و میرے مرید ہیں۔ چاہیں ہوئے امیرانہ زندگی بسر کرتا ہوں اور تیرہ ہزار روپیہ
نقد کما چکا ہوں۔ کیا تو وہ زمانہ تھا کہ میں نان شبینہ کو بھی محتاج تھا۔ اب وہ زمانہ ہے کہ میرے کتے پلاؤ بھی
منہ نہیں ڈالتے۔ یہ سن کے ہماری آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور ہم نے آبدیدہ ہو کے اس سے کہا کہ اگر تو مر جاتا
تو بہتر ہوتا۔ دین خدا اور امت نبی معصوم و بیکس کی ایک تعداد کثیر کو اس طرح برباد نہ کرتا۔ تو نے انکا مال و
زر نہیں لیا۔ بلکہ ان کے پیچھے حقایا اور ان کی دین کی پونجی پر بھی تاخت کی تجھے ایسا ہرگز لازم نہ تھا۔ تو نہیں
جانتا کہ یہ تمام عیش و عشرت کے سامان فانی ہیں بڑے بڑے شہنشاہ گذر گئے۔ آنکھیں کھول کے دیکھ کسی کا
بھی نام و نشان اس صفحہ ہستی پر باقی ہے۔ اے بدبخت تو نے نوکری ڈھونڈی ہوتی اور جو کی روٹی پر قناعت
کی ہوتی۔ ہائے یہ تو تو نے کبھی نہ کیا ہوتا کہ برحق نبی کی بھولی امت پر تو یہ ستم توڑ رہا ہے۔ کیا تو نہیں جانتا کہ محمد
عربی رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے تمام زمانہ نبوت کس کس قسم کی ناقابل برداشت تکلیفیں اور سخت سے
سخت مصائب اٹھا کے امت کا باغ لگایا پھر اس فخر انبیاء کے خلفائے راشدین نے اس باغ میں پانی دیا
وہ ان کے زمانہ مسعود میں پھولا پھلا اور سرسبز ہوا اسی طرح سے صحابہ تابعین تبع تابعین اس کی نگرانی
کرتے رہے ائمہ محدثین مجتہدین اور علمائے اسلام نے اس کی خدمت میں کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑا۔
ہائے وہ زمانہ ہے کہ اسی اسلام میں اسی امت مرحومہ میں اسی کے ماننے والوں میں اور نبی معصوم برحق
کا کلمہ پڑھنے والوں میں ایسے لوگ پیدا ہو گئے ہیں جنہوں نے پیشواؤں کا جامہ پہن لیا اور اس کھیتی کو یا
سرسبز باغ کو اجاڑ رہے ہیں۔ خدا کا غضب ٹوٹے تیری جان پر اے کمبخت۔ جب تک ہم یہ باتیں آبدیدہ
ہو کے کہتے رہے وہ سنتا رہا یہاں تک کہ ساری ہچکی بند ہو گئی اور ہم نے ہر چند اپنے کو ضبط کیا مگر نہ ہو سکا
ہم تو وہاں سے اٹھ کے چلے آئے۔ پھر خبر نہیں اس کا کیا حشر ہوا مرتا ہے یا جیتا ہے اب اس کا کیا حال ہے
ہمارے دل میں درد ہے اور ہمارے پر غم کی چوٹ لگی ہے ہم کیونکر اس بیان سے قلم کو روکیں مگر ہائے

مضامین مسلمانوں کے لئے غیر مفید ثابت ہوئے۔ پھر بھی ہمیں غم نہیں ہے کیونکہ ہم اپنا فرض ادا کرتے ہیں اور ہمیں قانوناً ادا کرنا چاہیئے اور اگر ہمارے مضامین نے کچھہ اثر کیا اور ہم ایک حد تک کامیاب ہوگئے تو ہم خوش ہوں گے کہ جس کام کا ہم نے بیڑا اٹھایا تھا ہمیں اس میں کامیابی ہوئی اس سے پوچھو جس کے دل پہ چوٹ لگی ہے بیدرد کیا جانے اور اسے درد کی کیا قدر ہو ؂

جس نے اس کا زخم کھایا ہو اُسے معلوم ہے ؂ تیغ ابرو کی صفت گھایل سے پوچھا چاہیئے

کوشش ہم کرتے ہیں اور اس کی کامیابی کی خداوند تعالےٰ سے کرتے ہیں کہ وہ کامیاب کرے اور اگر اُس کے نزدیک ہمارا یہ کام اچھا ہے تو اسے برکت دے اور اپنی رحمت سے اُسے سرسبز کرے آمین ثم آمین ؂

تمہارا خون میرا خون ہے تم میرے ہو میں تمہارا ہوں

آپ جانتے ہیں یہ الفاظ کس کے ہیں۔ آپ واقف کس مبارک زبان سے یہ پرزور الفاظ نکلے تھے یہ اُس یتیم بلکہ دھورے یتیم بچہ کی زبان مبارک سے سرزد ہوئے تھے جو پیدا ہوا تھا یتیمی میں جس نے پرورش پائی یتیمی میں جس نے چھہ برس کی عمر میں دھوری یتیمی کا ہار گلے میں پہنا اور جس نے نہ کبھی شفقت بھرے باپ کی محبت نصیب ہوئی اور نہ زیادہ دن مادر مہربان کی آغوش۔ جس نے نہایت بے سروسامانی میں زندگی گذاری اور جس کی لاثانی صداقت کی تمام سرزمین عرب میں بچپن ہی سے دھوم تھی وہ ہمارا نجات دہندہ اور حقیقی محسن محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم ہے۔ جب حضور انور نے اپنی رسالت کا اعلان دیا ہے اور توحید خدا پر بہت زور و شور سے وعظ فرمائے ہیں ایک خطرناک تحریک تمام مشرکین عرب میں پیدا ہوگئی تھی اور اُنہوں نے جو کچھہ ہمارے فخر موجودات کو تکلیفیں دی ہیں اُن کے افسردہ نقوش ابھی تک نسا کی پیشانی پر چمک دے رہے ہیں یہ پرزور الفاظ جن سے بے مثال یکجہتی اور الفت قلبی کا نقشہ کھنچتا ہے آپ نے اُس وقت اپنی زبان فیض ترجمان سے فرمائے تھے جب ۵ ، یثربی ۶۲۲ء میں مکہ میں آپ سے بیعت کرتے آئے تھے۔ بیعت کرنے کے بعد اُنہوں نے اُس معصوم نبی سے یہ عرض کیا تھا ایسا نہ ہو کہ تو عروج اور سرسبزی کے زمانہ میں ہمیں چھوڑ کے اپنی قوم کی طرف رجوع ہو جائے اور ہم تکتے کے تکتے رہجائیں۔ اسوقت حضور انور نے یہ جواب دیا تھا۔ "تمہارا خون میرا خون ہے اور تم میرے ہو میں تمہارا ہوں"

حضور انور نے جس پرزور لہجہ میں فرمایا تھا وہ لہجہ کرۂ باد میں گونجا اور رفتہ رفتہ ویں سرایت کرگیا اب تیرہ سو برس گذر گئے ہیں پھر بھی اس تعلق میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں آتا ہے اور آپ کی اپنی امت کے ساتھ وہی ریشہ دوانی باقی ہے اور اب بھی الحمد للہ آپ ہر وقت ہمارے ساتھ ہیں۔ اس بے نظیر تعلق جسے نہ کبھی آنکھوں نے دیکھا نہ کانوں نے سنا نہ کبھی جس کا خطرہ دل پر گذرا۔ ایک فاضل فرانسیسی مصنف اپنی قابل تصنیف سیولائزیشن ڈی عربس میں لکھتا ہے "وہی نبی امی اب بھی اپنی قبر کے اندر سے کروڑ ہا بندگان خدا کو کلمہ اسلام پر قائم رکھے ہوئے ہے اور ذرا بھی جنبش نہیں کرنے دیتا" حقیقت بھی یہی ہے اور یہ بات ایسی بدیہی ہے جس سے انکار ممکن نہیں ۔

جو کچھ آپ کو اپنی امت مرحومہ محبت تھی وہ آپ کے واقعات زندگی سے بخوبی ثابت ہے۔ جب آپ کا وصل باری تعالےٰ سے ہونے لگا ہے تو جو صدا آپ کے مبارک لبوں سے آتی تھی۔ اس وقت کہ جب روح اپنے حقیقی خالق سے ملنے کے لئے آپ کے جسد مبارک میں تڑپ رہی تھی یہ تھی "امت امت امت" کیا دنیا میں اس بے نظیر تعلق کی کوئی مثال دے سکتا ہے زمانہ بدل جائے آفتاب اپنی تمام روشنی اور آگ ہمارے کرۂ زمین پر برسا دے۔ تمام سیارے باہم ٹکرا جائیں اور پھر ہم پر ٹوٹ پڑیں۔ تمام ناممکن الوقوع تکلیفیں ہم پر گذر جائیں کرۂ باد اپنے تمام پانی کے ذرے ہم پر برسا دے پھر بھی تعلقات نبی معصوم اور آپ کی مرحومہ امت میں فرق نہیں آسکتا ۔

ممکن نہیں ہے ممکن ہرگز نہیں ہے ممکن ہونا نہیں کبھی یہ ہو جائے اگر قیامت۔ حضور انور نے جو کچھ تکلیفیں سہیں سب ہماری بہتری کے لئے جو مصیبتیں اٹھائیں سب ہماری اصلاح کے لئے آپ ہی کی ہدایتیں کا صدقہ تھا کہ بحر و بر نے ہمارے آگے خراج پیش کیا۔ اور ہم دنیا کے سلطان بن گئے وہی ہدایتیں ہیں اور وہی ہم ہیں۔ ہماری حالت بحیثیت ایک مسلمان اور امت مرحومہ کے ایک رکن ہونے کے انتہا درجہ ذلیل اور عبرتناک ہے اور ہم نے اس محبت کو جو ہمارے فخر رسل کو ہمارے ساتھ ہے ہرگز وقعت کی نظر سے نہیں دیکھا ہے اے جہان حضور انور کا تو یہ ارشاد ہوتا کہ میرا خون تمہارا خون ہے اور تم میرے ہو میں تمہارا ہوں" وہاں محض اپنی نفس پرستی اور دنیا طلبی کے لئے خود آپ کی لگائی ہوئی کھیتی کو پامال کیا جا رہا ہے اور اگر اس سے کچھ کامیابی ہو جاتی ہے تو اپنی نالایق فتحمندی پر بغلیں بجاتے ہیں۔ اس وقت مسلمانوں میں جس قدر دین فروشی ہو رہی ہے دنیا کی کسی اقوام میں نہ کبھی ہوئی نہ اب ہے۔ ہر دھنیا جلاہا۔ قسائی پیشوائے

بن گیا ہے اور دو ایک اُردو کی کتابیں پڑھ کے مسلمانوں کی قوم کا ستیاناس کر رہا ہے۔ کیا یہی تعلق ہے اور یہی بہت بڑی حضور انور کی نذرین وعدہ اور بشارت کی داد دی جا رہی ہے۔ اگر آپ ایک نظر اُن لوگوں پر ڈالیں جنہوں نے اپنے کو مولوی مشہور کر رکھا ہے (الا ماشاء اللہ) تو آپ دیکھیں گے۔ کہ اُن سے زیادہ ناکارہ ان سے زیادہ فضول ان سے زیادہ دغاباز۔ ان سے زیادہ مکاران سے زیادہ دین فروش ان سے زیادہ ڈاکو دنیا میں کوئی نہیں نکلنے کا۔ اگر اس سے انکار کرتے ہو اور مرد ہو تو آؤ میدان میں اور دو ثبوت اپنے دعوے کا کہ ہم یہ غلط لکھ رہے ہیں محض ناممکن ہے کہ تم کوئی ثبوت دے سکو۔ اور ہماری تکذیب کر سکو۔ ہم جو کچھ لکھتے ہیں بدیہی ہے اور ایسے مشاہدات ہیں جن کا منکر مجنون گنا جائے گا بتاؤ تو سہی کہ مقلدوں کے کفر کے کتنے فتوے شایع ہو چکے ہیں اور غیر مقلدوں کی تکفیر مقلدوں نے کے بار کی ہے۔ سارے فتوے موجود ہیں جن میں ایک دوسرے کو کافر بنایا گیا ہم سوال کرتے ہیں کیا یہی اسلام ہے اور یہی اتحاد ہے اور کیا امت مرحومہ کی یہی شان ہے۔ آؤ میدان میں اور پیش کرو ایسے مولوی کو جو وعظ کہتا ہو اللہ کے لئے اور ہدایت کرتا ہو اللہ کے لئے اور دینی تعلیم ہو اللہ کے لئے اور اُس نے اپنے وعظ کا معاوضہ لینا حرام جانا ہو اور کبھی اپنے معتقدوں کی جیب پر نگاہ نہ ڈالی ہو۔ کوئی ہے جو ایسے مولوی پیش کر سکتا ہے۔ نہیں کوئی نہیں۔ ایک نہیں اور کبھی نہیں۔ اور کہو جو کچھ ہم رہے ہیں اگر انصاف سے دیکھو گے اور خود ذرا تکلیف گوارا کر کے تحریر کرو گے تو جو کچھ ہم ان دین فروشوں کی نسبت لکھ چکے ہیں۔ اُس سے بھی ہزار درجہ زیادہ پاؤ گے اور ہم یہ کہتے ہیں کہ ہاتھ کنگن کو آرسی کیا۔ جس مولوی کو بڑا اتقدس سمجھتے ہو اُسی سے کچھ تعلق کر کے دیکھو اور پھر کہو کہ ہم جو کچھ لکھتے ہیں غلط ہے یا صحیح۔ دیکھو جی سن لو اور خوب سمجھ لو کہ جب تک ان دین فروشوں کی کرکری نہ ہو گی مسلمان کبھی ترقی نہیں کر سکتے۔ بمبئی میں انہوں نے کیا کیا کلکتہ میں کیا کیا خود عرب میں کیا کیا۔ اور سب سے زیادہ دہلی شریف میں کیا کیا۔ کوئی مسلمان جو ان تحریروں کا موید نہیں ہے وہ حلفاً بیان کرے کہ ان ملانوں نے مسلمانوں اور اسلام کے ساتھ کیا کیا اور نادان مسلمان آیندہ ان سے کیا امید رکھتے ہیں اور کوئی کمبخت ہفتہ ایسا جاتا ہو گا جس میں ایک نہ ایک مسلمان کو کافر نہیں بنایا جاتا تھا۔ انہیں غارت کرے سوائے کفر تقسیم کرنے اور مسلمانوں کو کافر بنانے کے انہیں دین و دنیا کا اور کوئی کام ہی نہیں ہے۔ آٹھ دن ہوئے ہوں گے ایک دو صفحے فتوے شایع ہوا ہے جس میں اس جرم پر کہ ایک شخص نماز میں ایک

و تر پڑھتا ہے اور کسی نے بیان کیا ہے کہ اس نے حضرت عایشہ رضی اللہ عنہا کی شان میں گستاخی کی ہے بس اس پر وہ سب دشنام کیا گیا ہے کہ العظمتہ للہ۔ ایک شخص فتویٰ لے کے ہمارے پاس آیا اور اس نے باآواز صالح ہم سے بیان کیا کہ ایک شخص نے محض دشمنی سے مجھ پر مولویوں سے کفر کا فتویٰ شایع کرا دیا اور خدا ان مولویوں سے سمجھے کہ انہوں نے مجھے بلا کے بھی دریافت نہیں کیا کیا میرا مذہب بھی ہے یا نہیں اور میں نے کب یہ جرم کیا ہے۔ ہم نے اس فتویٰ کو دیکھا کہ اس پر علاوہ مشہور مولویوں کے چند ایسے مچھوکروں کی بھی مہریں ہیں جو محض کندہ ناتراش ہیں اور راقم کے نام سے بھی نہیں جانتے اور آٹھ آٹھ آنے پر بچوں کو پارہ عم پڑھاتے پھرتے ہیں۔ خدا کا غضب ٹوٹے ان کی جانوں پر۔ انہوں نے صاحب فتوے اور مہر ہونے کا کوئی معیار ہی نہیں رکھا دو پیسے کو پیتل کی مہر کھدوالی اور مسلمانوں کو کافر بنانے لگے۔ بعض ناسمجھ اور عقل کے دشمن یہ کہتے ہیں کہ ہم علمائے اسلام کی شان میں گستاخی کرکے اسلام کو بدنام کرتے ہیں یہ ان کی نری ہٹ دھرمی ہے ہماری ذاتی رائے تو یہ ہے کہ علمائے اسلام کی شان میں گستاخی تو کیسی اگر دل میں ان کی طرف سے بدگمانی بھی ہو تو اس کے اسلام میں شک ہے مگر یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ ایک جلاہا تانا بانا تنتے تنتے یا ایک دھنیا روئی دھنکتے دھنکتے یا ایک قصائی بکرے ذبح کرتے کرتے نیچی داڑھی اور بڑا عمامہ ٹخنوں سے اونچا پاجامہ ٹخنوں تک کرتا ہاتھ میں پانسو دانوں کی تسبیح لے کے اٹھ کھڑا ہو اور حضور انور کی مسند مبارک کی توہین کرے اور مسلمانوں کو لوٹ کے گھر بھرے اور ان میں محض اپنی مطلب برآری کے لئے سر پھٹول کرائے اور مقدمہ بازی میں انکے گاڑھے پسینہ کی کمائی صرف کرے اسے ہم کیونکر اپنا پیشوا بنالیں ہماری تحریروں سے اسلام پہ وہ دھبا مٹتا ہے جو ان دین فروشوں کی وجہ سے اس کے دامن پر لگ گیا اور عام طور پر روشن ہو گیا ہے کہ یہ جو آئے دن اوروں کو کافر بنا رہے ہیں ان کے خود اسلام میں بڑا شبہ ہے۔ اب بھی الحمد للہ ہندوستان میں علما موجود ہیں اور وہ ایسے ہیں جن کے دامن پر نماز پڑھی روا ہے مگر انہیں کون پوچھتا ہے نہ وہ مکر کرتے ہیں نہ جال پھیلاتے ہیں اور نہ مسلمان کو لڑواتے ہیں نہ انہیں شعبدے بازی آتی ہے اور نہ انکے پاس کوئی جائے نہ ان کی بات پوچھے +

کیا محبت اور ہمدردی سے بے نظیر محبت کا ثبوت جو ہمارے امین خدا کو اپنی امت کے ساتھ تھی اور جس سے آپ نے ارشاد کیا تھا کہ تیرا خون تمہارا خون ہے اور تم میرے ہو میں تمہارا ہوں" یہی ہیں جو ہم دے رہے